جولائی ۲۰۰۸ء

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ

اشرفیہ
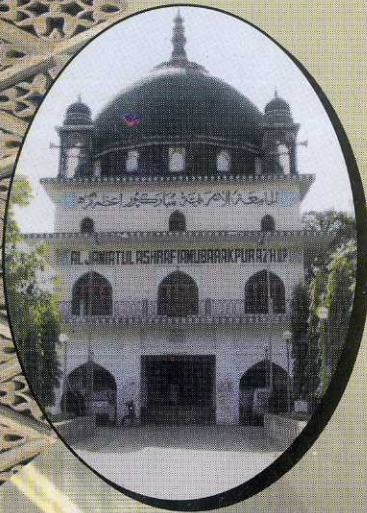
مبارکپور

مبارک حسین مصباحی

جلد نمبر ۳۲ • شمارہ ۷

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ	THE ASHRAFIA MONTHLY	قیمت عام شمارہ: 12 روپے
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴	Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404	سالانہ: 130 روپے
چیک اور ڈرافٹ بنام **مدرسہ اشرفیہ** بنوائیں	کوڈ نمبر ——— 05462 دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149 الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092 دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122	سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ 400 روپے دیگر بیرونی ممالک 15 $ امریکی ڈالر 10€ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

نگارشات

اجالوں کا سفیر

مبارک حسین مصباحی

۲۸/اپریل ۲۰۰۸ء کو ماہر رضویات ناشر مجددیات سعادت لوح وقلم حضرت پروفیسر مسعود احمد علیہ الرحمہ کا انتقال پر ملال ہوگیا، یہ اندوہناک خبر ہم اپنے قارئین کو جون میں ہی دے چکے ہیں۔ ہم نے گزشتہ ماہ حضرت کی شخصیت پر کچھ لکھنے کا وعدہ کیا تھا اسے ہم کسی حد تک پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

پروفیسر مسعود احمد کی رحلت کا غم جہان سنیت کے ہر باشعور انسان نے محسوس کیا، موصوف اپنے وجود میں فکر وقلم کی ایک انجمن اور ہمہ گیر تحریک تھے، ان کی فکر و شخصیت، جدید وقدیم علوم وفنون کا سنگم تھی، انھوں نے درجنوں موضوعات پر لکھا اور سیکڑوں اہل قلم کو لکھنے کی راہ ہموار کی، آپ کی توجہ سے پہلے، امام احمد رضا قدس سرہ کا تعارف بہت کم تھا، آپ نے علمی دنیا میں رضا شناسی کی لہر پیدا کی، قلمی تحریک سے برصغیر میں ہزاروں ہم نوا پیدا کیے، درجنوں یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا کی کثیر جہات شخصیت پر پی. ایچ. ڈی. کی ڈگریاں تفویض ہوئیں۔ آپ نے رضا رضا کہا، ہر طرف رضا رضا ہوگیا، آپ نے لکھنے والوں کو عناوین دیئے، قیمتی مواد دیئے اور بھرپور تعاون کیا، اللہ تعالیٰ نے ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے امام احمد رضا کا انتخاب فرمایا اور مصطفیٰ جان رحمت نے رضا شناسی کے لیے پروفیسر مسعود احمد کا انتخاب فرمایا۔ یہ بڑے کرم کے فیصلے ہیں یہ بڑی نصیب کی بات ہے۔ اسی کے ساتھ آپ نے امام ربانی مجدد الف ثانی پر بھی کام کیا اور حق یہ ہے کہ کام کا حق ادا کر دیا، دیگر مکاتب فکر بڑی چابک دستی سے امام ربانی کو اپنے کھاتے میں ڈال رہے تھے، پروفیسر صاحب نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دیا، دونوں مجددین اپنے اپنے عہد میں مسلک اہل سنت کے ترجمان ونقیب تھے۔ کسی ایک کو بھی نظر انداز کر کے برصغیر میں اہل سنت کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔ پروفیسر صاحب نے دونوں شخصیات پر اس خوبصورتی سے کام کیا کہ حق روشن ہوگیا اور باطل بے نقاب ہوگیا، آپ کی فکر انگیز، دل آویز اور مدلل تحریروں نے جدید وقدیم دونوں طبقوں کو متاثر کیا، آپ اپنی طرز نگارش اور فکر رسا میں منفرد تھے، وہ روپوش ہوگئے مگر اپنی فکروں کا اجالا چھوڑ گئے۔

پروفیسر مسعود علیہ الرحمہ کی ولادت ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء میں دہلی کے مشہور علمی خانوادے میں ہوئی، والد گرامی نے آپ کا نام جد امجد شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ کے نام پر تجویز کیا، جد امجد اپنے عہد کی بلند پایہ بزرگ علمی شخصیت تھے ان کے ایک معاصر تذکرہ نگار، امیر الدین حنفی رقم طراز ہیں:

”زبدہ فقہائے جہاں، واصلح صلحائے جہاں، اعراف العرفا، فاضل الفضلاء، فقیہ بے بدل، مفتی بے مثل، محقق مسائل دین حضرت مولوی مفتی رحیم بخش المشہور مولانا مفتی محمد مسعود احمد صاحب مفتی دہلی دام فیوضہ۔“ (تذکرہ مسعود ملت ص: ۱۱۲)

پروفیسر صاحب کی شخصیت پر اس کی برکتیں ظاہر ہوئیں اور وہ اپنے عہد میں منفرد المثال شخصیت بن کر ابھرے اور چار دانگ عالم میں شہرت ومقبولیت کے بام عروج پر پہنچے۔ آپ کے والد گرامی مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ بھی اہل سنت و جماعت کے زبردست عالم اور مفتی اعظم دہلی تھے، جہان رضا کے اکابر سے بڑے گہرے روابط رکھتے تھے۔

۱۹۴۷ء میں شہر دلی فساد کی زد پر تھا، امن وسکون غارت تھا، انھیں حالات میں پروفیسر مسعود احمد صاحب کے برادر گرامی مولانا منظور احمد پاکستان حیدر آباد سندھ چلے گئے، سوئے اتفاق وہاں پہنچ کر شدید بیمار ہوگئے، والد گرامی نے پروفیسر صاحب کو حکم دیا کہ وہ اپنے بھائی کی تیمارداری کے لیے چلے جائیں اور ہو سکے تو انھیں واپس لے آئیں، پروفیسر مسعود احمد (بہ عمر ۱۸/ برس) بے پناہ مشکلات جھیلتے ہوئے حیدر آباد سندھ پہنچے تو بیماری بڑھ چکی تھی، کچھ روز میں ان کا وصال ہوگیا اور پروفیسر صاحب پاکستان ہی میں قیام پذیر ہوگئے۔

مشرقی پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۴۸ء میں فاضل فارسی کیا، پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ۱۹۵۱ء میں میٹریکولیشن کیا، اسی یونیورسٹی سے ۱۹۵۳ء میں فاضل اردو اور انٹرمیڈیٹ کیا، اسی یونیورسٹی سے ۱۹۶۵ء میں بی. اے. کیا، سندھ یونیورسٹی حیدر آباد سے ۱۹۵۸ء میں ایم. اے. کیا اور اسی یونیورسٹی سے ۱۹۷۱ء میں پی. ایچ. ڈی. کی ڈگری حاصل کی۔

پروفیسر مسعود احمد صاحب نے جب اپنے والد گرامی حضرت مفتی مظہر اللہ دہلوی سے پی. ایچ. ڈی. کے موضوع کے حوالے سے مشورہ

طلب کیا تو انھوں نے رہ نمائی کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

”جو موضوع تم نے تصنیف کے لیے منتخب کیا ہے اس میں دینی خدمت نظر نہیں آتی، قرآن کریم کی ایسی خدمت اگر کرتے تو بہتر ہوتا جس میں تبلیغی جھلک ہوتی اور اس کی تعریف میں غیر ادیان والوں نے جو تحریر کیا ہے اس کو منظر عام پر لاتے بلکہ انگریزی ہی میں تحریر کر کے دوسرے ممالک میں اس کو پیش کرتے تو بہتر ہی بہتر ہوتا، اس سلسلہ میں دوسرے مذاہب کے مسائل بھی علم میں آجاتے۔ ایسی تصنیف سے اگر ایک شخص بھی داخل اسلام ہو گیا تو تم سے اسلام کی بڑی خدمت ہوئی، خیر یہ تو میرا خیال تھا جس کا اظہار ہوا، باقی تم بہتر جانتے ہو۔“ (جہان مسعود ص: ۱۷۷)

اس مشورہ کے بعد پروفیسر صاحب نے اپنے مقالے کا عنوان ”اردو قرآنی تراجم وتفاسیر“ منتخب کیا، اس مقالے میں ۶۰۰ رسے زیادہ اردو تراجم وتفاسیر کی تفصیلات پیش کی ہیں اور مقدمے میں ۵۰ رسے زیادہ زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم وتفاسیر کا تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔

پروفیسر مسعود احمد صاحب نے قلمی میدان میں جو خدمات انجام دیں وہ تو شہرۂ آفاق ہیں ہی اسی کے ساتھ آپ نے تدریسی میدان میں بھی نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ ہم ذیل میں آپ کی تدریسی خدمات کا ایک اجمالی خاکہ سپرد قلم کرتے ہیں۔

(۱) ایس. اے. ایل. گورنمنٹ ڈگری کالج میر پور خاص ضلع تھر پارکر، پاکستان میں بحیثیت لکچررو صدر شعبہ اردو ۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۶ء۔ (۲) گورنمنٹ ڈگری کالج، کوئٹہ، بلوچستان میں بحیثیت پروفیسر شعبہ اردو میں ۱۹۶۶ء تا ۱۹۷۰ء۔ (۳) گونمنٹ ڈگری کالج ٹنڈو محمد خاں ضلع حیدرآباد میں بحیثیت پرنسپل و پروفیسر، ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۴ء۔ (۴) گورنمنٹ کالج کھیرو، ضلع تھر پارکر (سندھ) میں بحیثیت پرنسپل ۱۹۷۴ء۔ (۵) گورنمنٹ کالج مٹھی ضلع تھر پارکر سندھ میں بحیثیت پرنسپل ۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۸ء۔ (۶) گورنمنٹ سائنس کالج سکرنڈ ضلع نواب شاہ (سندھ) میں بحیثیت پرنسپل ۱۹۷۸ء تا ۱۹۸۰ء۔ (۷) گورنمنٹ کالج ٹھٹھ (سندھ) میں بحیثیت پرنسپل۔

پروفیسر مسعود صاحب نے یوں تو دین ودانش اور تاریخ وثقافت کے بہت سے موضوعات پر لکھا، انگریزی کتابوں کے ترجمے کیے، اہم علمی ذخائر کی ترتیب جدید فرمائی، سیکڑوں کتابوں پر مقدمے، پیش لفظ لکھے اور تبصرے کیے، درجنوں سیمیناروں، کانفرنسوں اور اہم رسائل وجرائد کے لیے مقالات ومضامین سپرد قلم کیے مگر فکر وقلم کے خاص موضوعات مجددین کی کثیر الجہات شخصیات تھیں۔ آپ خود ایک مقام پر رقم طراز ہیں:

”فقیر نے ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۰ء کے درمیان حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کام کیا، پھر ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۲ء تک امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کام کیا جو ابھی تک جاری ہے۔ ۱۹۹۲ء سے ۲۰۰۲ء تک مسلک اہل سنت وجماعت پر کام کیا یہ بھی ابھی تک جاری ہے، ۲۰۰۲ء میں پھر امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوا۔“ (جہان امام ربانی اقلیم اول، ص: ۹۶)

پروفیسر مسعود احمد صاحب علمی سطح پر الجامعۃ الاشرفیہ اور فرزندان اشرفیہ سے بھی متاثر تھے، کتابوں کے تبادلے ہوتے، محبت بھرے خطوط آتے، علمی کاموں کے لیے گراں قدر مشورے دیتے، ماہ نامہ اشرفیہ کے لیے وقیع مضامین ارسال فرماتے، حضرت مولانا اسلم بستوی مصباحی نے جب مناقب حافظ ملت پر مشتمل مجموعہ ”اوراق گل“ مرتب کیا تو پروفیسر صاحب نے بڑا دل آویز تبصرہ فرمایا، آپ حافظ ملت کی شخصیت سے بے پناہ متاثر تھے۔ موصوف اسی تبصرے میں لکھتے ہیں:

”علامہ جلیل حضرت حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی قدس سرہ العزیز روحانی، علمی اور اخلاقی کمالات کے حامل تھے۔ کیوں نہ ہوتے کہ ان کے استاذ حضرت استاذ الاساتذہ مولانا امجد علی اعظمی اور ان کے شیخ، شیخ المشائخ حضرت شاہ علی حسین اشرفی رحمہما اللہ تعالیٰ۔ حضرت حافظ ملت کی بے مثال سیرت کا جوہر ”استغنائے قلب“ تھا انھوں نے غیر کی بندگی قبول نہ کی کہ وہ تذلیل بندگی ہے اور مولیٰ کی بندگی وقار بندگی۔ غربت وافلاس میں مولیٰ کی رزاقیت پر اعتماد کامل کوئی معمولی بات نہیں، بہت بڑی بات ہے اور بہت بڑی کرامت ہے۔ بندوں پر بھروسہ کیا جائے تو انسان نامراد ہو سکتا ہے مگر جو مولیٰ پر بھروسہ کرتا ہے نامراد نہیں ہو سکتا۔“

پروفیسر صاحب حافظ ملت کی تعمیری خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”وہ مدرسہ اشرفیہ آئے اور فیضان تربیت سے اس مدرسے کو جامعہ بنا دیا گویا ذرے کو آفتاب بنا دیا، مردہ لوگ اپنے لیے کرتے ہیں، دوسروں کے لیے نہیں، مگر زندہ لوگ سب کے لیے کرتے ہیں اپنے لیے نہیں۔“ (اشرفیہ، مئی، جون، ۱۹۷۷ء، ص: ۵۲)

(باقی، ص: ۵۴ پر)

سوال و جواب

فتاوائے حافظ ملت

ترتیب وتخریج: مبارک حسین مصباحی

فی الصلوة المسئولة صلاة الامام والقوم کاملة

آمدہ از کاٹھیاواڑ احمد نعیمی ۲۴ ذی قعدہ ۶۸ھ

حمدا علی قوله فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون فالحمد لله الذی عرفنا بنبيه الی استفتاء والصلوة والسلام علی اشرف خلقه رحمة للعالمين العالم لما كان و مايكون و علی اله و صحبه و فقهاء ملته۔

اما بعد السلام عليكم

ما قولكم دام فضلكم شخص امام لما قعد للتشهد الاخير من الصلوة الرباعيه و تردد عليه هل الركعة رابعة ام ثالثة و قام علی ظن انه الثالثة۔ قبل قرأته التشهد ولكن لما ان بلغ اكمل حد القيام سمع سبحة بالمقتدی فرجع متيقنا ان هذ القيام خامس زائد و قعد و قرأ التشهد و سلم واحدا وسجد للسهو ثم تشهد مع الدعاء و سلم مرتين والماموموں فی هذه الصورة ماشار كوا اما مهم فی القيام الزائد هل انتظر وا امامهم ففی هذه الصورة هل صحت صلوة هذا الشخص الامام و الماموميں ام بينهم فرق بينوا بعبارات الكتب الحنفية جازاكم الله تعالیٰ خير الجزاء۔

سائل: احمد نعیمی امجدی قادری رضوی غفرله

۲۴ ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

الجواب

فی الصلوة المسئولة صلاة الامام والقوم كاملة فان الرجل اذا سها عن القعدة الاخيرة وقام الی الخامسة فعليه ان يرجع اذا تذكر مالم يقيد تلك الركعة بسجدة ۔ وحالما عمل الامام علی هذه المثابة فقد صحت صلاته و اما صلاة القوم فلا فساد منها ايضا فانه كان عليهم ان لا يتابعوا اما مهم فی هذا القيام و مع ذالك عادامامهم للقعدة و تشهد و سجد للسهو فانجبر ما انكسر. فی الدر المختار:

لو سها عن القعود الاخير كله أو بعضه عاد ويكفی كون كلا الجلستين قدر التشهد مالم يقيدها بسجدة لان مادون الركعة محل الرفض وسجد للسهو لتاخير القعود و ان قيدها بسجدة عامدا اوناسيا اوساهيا او مخطئا تحول فرضه نفلا.[۱]

فی الفتاوی الهنديه:

اربعة اشياء اذا تعمد الامام لا يتابعة المقتدی (منها) قام الی الخامسة ساهيا.[۲]

والله تعالیٰ اعلم۔

اذان ثانی کا حکم

مشرق

---۱---۲---۳---۴---۵---۶---۷---۸---

منبر

---۱---۲---۳---۴---۵---۶---۷---۸---

مغرب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائلِ ذیل میں؟

۱- بوقتِ خطبۂ جمعہ امام کی پشت کعبہ شریف کو اور منہ سامعین کی جانب ہو یا ترچھا بیٹھے؟

۲- بوقت خطبۂ جمعہ امام منبر پر بیٹھے جو کہ مغربی نمبر پانچ میں واقع ہے اور اسی کے مقابل نمبر پانچ مشرق میں موذن اذانِ ثانی دے تو یہ اذان خطیب کے سامنے ممبر کے آگے امام کے مواجہ

۱؎ در مختار باب سجود السهو، ص:۵۵۰-۵۵۱

۲؎ عالمگیری، ج: اول، ص:۹۰

ورو برو ہونا مانی جائے گی یا نمبر پانچ کے علاوہ تین، چار، یا چھ، سات میں موذن اذان دے تو یہ بھی محاذی خطیب کے سامنے ممبر کے آگے مواجہ ورو برو مانا جائے گا؟

۳- زاویہ قائمہ اور حادہ منفرجہ جو بنے گا منبر پانچ کے آگے بنے گا یا ترچھا یعنی پانچ نمبر مغربی و پانچ نمبر مشرقی کے اندر بنے گا۔ یا پانچ نمبر مشرقی سمت چھوڑ کر مشرقی ایک دو، اور سات، آٹھ کی طرف بنے گا؟

۴- اگر خطیب و موذن کے درمیان دیوار حائل ہو تو اپنے بائیں یعنی بجائے نمبر پانچ کے ایک، دو اور سات، آٹھ جس طرف چاہے موذن کھڑا ہو بین یدیہ اذان مانی جائے گی یا نہیں؟

۵- اذان ثانی جمعہ کا خطیب کے سامنے و نیز منبر کے آگے امام کے مواجہ یعنی رو برو محاذات میں ہونا صحیح ہے یا بغیر منہ پھیرے موذن پر نظر پڑے گو دور ہونے میں کتنی ہی نظر چوڑی ہو چوڑان میں ہو ترچھا اور محاذات منبر و خطیب کے خلاف ہو صحیح مانی جائے گی۔

از روئے شرع شریف جواب تحریر فرمائیں۔

محمد احمد، شفیع آباد، کانپور، ۴ / اگست ۱۹۴۹ء

الجواب

جمعہ کے دن اذانِ خطبہ خطیب کے رو برو خارج مسجد ہونا سنت ہے۔ ابوداؤد شریف میں ہے:

عن السائب بن يزيد قال كان يوذن بين يدى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد و ابو بكر و عمر [1]

یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی تھی اور یہی طریقہ ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں تھا۔ اور مسجد کا دروازہ منبر شریف کے رو برو تھا، جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

دخل رجل يوم الجمعة من باب كان و جاه المنبر و رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قائم يخطب [2]

یعنی ایک شخص جمعہ کے دن اس دروازے سے داخل ہوا جو منبر کے رو برو تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے خطبہ پڑھ رہے تھے۔ منبر شریف لکڑی کا تھا، یہ بھی بخاری شریف میں ہے۔ دروازے سے اس کی محاذات، اس امر پر دلیل ہے کہ منبر شریف اور دروازہ مسجد میں دیوار وغیرہ حائل نہ تھی، لہذا ثابت ہوا کہ اذان خطبہ مسجد سے خارج خطیب کے رو برو سنت ہے۔ سوال کے نقشہ سے ظاہر ہے کہ منبر کے سامنے سمت مشرق خارج مسجد نمبر پانچ تک دیوار حائل نہیں، لہذا موذن نمبر پانچ پر کھڑا ہو کر اذان کہے تو یہ اذان بطریق مسنون ادا ہوگی اور اگر بالفرض کوئی دیوار حائل ہے تو منبر ہی کو ایسے مقام پر رکھا جائے جس سے موذن خطیب کے رو برو کھڑا ہو سکے نہ کہ خطیب ترچھا ہو کر موذن کو جھانک جھانک کر محاذات پیدا کرے اور اگر منبر اینٹ پتھر وغیرہ کا بنا ہوا ہے کہ ہٹ نہیں سکتا تو لکڑی کا منبر بنایا جائے کہ لکڑی کا منبر سنت بھی ہے اور حسب ضرورت ہٹایا جاسکتا ہے۔ اس میں پانچوں نمبروں کے جوابات آگئے۔ و هو تعالى اعلم.

کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

اللہ و رسول کے حاضر و ناظر ہونے کی وضاحت

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسائلِ ذیل میں:

۱- خدائے جل شانہ ہر جگہ موجود ہے، یا کوئی جگہ اس سے خالی ہے، اگر خالی ہے تو وہ کون سی جگہ ہے؟

۲- زید کہتا ہے کہ (الف) حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں خدا جل شانہ حاضر و ناظر نہیں (ب) دوم یہ کہ خدا جل شانہ کو حاضر و ناظر کہنا کفر ہے، بیوی نکاح سے نکل جاتی ہے، پس زید کے اس قول سے تمام حکام و چپراسیاں جو کہ مدعی و مدعا علیہ و گواہاں سے حلف لیتے ہیں ان الفاظ کے ساتھ کہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر سچ کہیں گے، اس کے کہنے اور کہلانے سے بقول زید سب کافر اور بیویاں نکاح سے باہر ٹھہریں یا نہیں۔ زید کا قول کہاں تک صحیح ہے؟

از روئے شرع شریف جواب مدلل تحریر فرمائیں۔

بینوا توجروا۔ محمد احمد، شفیع آباد، کانپور، ۲۶ / ستمبر ۴۹ء

[1] ابو داؤد شريف باب الندا يوم الجمعة، ص: ۱۵۵

[2] صحيح البخاری، جلد اول، ص: ۱۳۷

الجواب

۱- اللہ عز و جل مکان و زمان سے پاک ہے، کوئی جگہ، کوئی مکان، کوئی وقت، کوئی زمان اس کا احاطہ کر سکے، محال ہے۔ عقائد نسفی میں ہے:

"لا یتمکن فی مکان ولا یجری علیه زمان."[1]
یعنی اللہ عز و جل نہ کسی مکان میں مکین ہے نہ زمان کا اس پر مرور۔ خداوند قدوس کا کسی جگہ مخلوق کی طرح موجود ہونا محال ہے۔

۲- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عز و جل کے محبوب بندے اور پیاری مخلوق ہیں۔ ان کے لیے مکان و زمان ثابت ہے، بے شک وہ حاضر و ناظر ہیں اور بلاشبہہ خداوند کریم مکان و زمان سے پاک ہے۔ اس کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

وہی لا مکاں کے مکیں ہوئے سرِ عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جس کے ہے یہ مکاں، وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

اللہ عز و جل سمیع و بصیر، علیم و خبیر ہے۔ ہر جگہ ہر مکان میں ہر شے کو ہر وقت برابر دیکھتا، سنتا، جانتا ہے، ہر شے کو اس کا علم محیط ہے، حلف لیتے وقت جو یہ کہتے ہیں کہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہیں گے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارے فعل کو خداوند کریم دیکھتا ہے، ہمارے قول کو سنتا ہے۔ یہ معنی صحیح ہیں مگر بجائے حاضر و ناظر کے شاہد و بصیر کہنا چاہیے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: عبدالعزیز عفی عنہ

[1] شرح عقائد نسفی، ص: ۵۹-۶۰ مجلس برکات، مبارک پور

(ص: ۲۸ کا بقیہ)

ان کی زندگی کتاب وقلم اور علم وعمل سے عبارت ہے۔ حروف کے مخارج ان کی گفتار میں واضح محسوس کیے جا سکتے تھے۔ آواز میں دلی والوں کی سی کھنک اور لہجے میں صوفیوں کی سی دھمک تھی۔ تحریر میں ان کا اپنا اسلوب تھا مگر تحریر ہو یا تقریر، وہ اعتماد اور یقین سے کہنے لکھنے والے تھے۔ ہر تحریر کو محفوظ رکھنا بھی ان کا ایک وصف تھا۔

اعلیٰ حضرت کے حوالے سے لکھتے ہوئے ان پر رضویات نے کتنے باب وا کیے ہوں گے۔ انہیں ماہر رضویات مانا گیا، رضویات کے ساتھ ان کا ذکر و حوالہ گویا لازم ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ پر ان کی وقیع نگارشات کی وجہ سے ہر سنی انہیں محترم رکھتا۔ ان کی تحریروں کی اشاعت سمتوں میں ہونے لگی۔

ادارہ مسعودیہ کے زیر اہتمام ان کے مختصر کتابچوں کی اشاعت ہوئی تو انہیں طالبان علم تک رسائی دی گئی، اہل علم کو خطیر رقم کی کتب مفت فراہم کی گئیں۔

قریباً تین دہائیاں رضویات پر کام کرتے رہے اس کے بعد انہوں نے "جہان امام ربانی" کے عنوان سے مجدد الف ثانی حضرت امام ربانی شیخ احمد فاروقی سرہندی علیہ الرحمہ کے بارے میں لکھی گئی بکھری تحریروں کو جمع کیا اور پندرہ ضخیم جلدیں شائع کیں اور وہ بھی اور اہل علم اور طالبان علم تک پہنچانے میں جس کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا وہ ایک مثال ہے۔

پروفیسر صاحب سے کم و بیش چالیس برس ملاقات رہی۔ سلسلہ عالیہ نقش بندیہ مجددیہ کے آستانہ، مکان شریف سے ان کی نسبت وارادت وہ قدر مشترک تھی جس نے ان سے وابستہ رکھا۔ وہ محبتوں کو نباہتے اور شفقتوں سے اپنا گرویدہ بنائے رکھتے۔ ان کی وضع داری اور خودداری کیا خوب تھی۔ وہ خانقاہی مزاج کے درویش تھے، خود کو نزاعی امور سے دور رکھنے کی کوشش کرتے۔ اپنے والد گرامی علیہ الرحمہ کے عرس شریف میں خود مدعو کرتے، اسٹیج پر موضوع منتخب فرماتے اور پھر میری تقریر کی بہت تعریف کرتے۔ ہمارے گھر کی ہر تقریب میں ضرور تشریف لاتے۔ جب کبھی انہیں ملنے جاتا تو بہت پذیرائی فرماتے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کے گھر گیا اور عمدہ کتب سے نہ نوازا گیا ہوں۔ محبت اور خلوص کے اس تعلق میں بہت اپنا پن تھا۔ حضرت پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی کے "حکم" کی تعمیل میں یہ سطور قلم بند کی ہیں، حضرت مسعود ملت سے محرومی پر افسردگی کے اس لمحے میں کچھ لکھنے کا یارا نہیں...... اللہ کریم اپنے فضل سے حضرت کے درجات بلند فرمائے، آمین

علمِ میراث کی ضرورت و اهمیت

غلام حسنین عباسی ازہری

علمِ میراث مذہبی فنون میں بہت ہی جامع، مشکل اور اہمیت کا حامل فن ہے اور فقہ کا ایک مستقل باب ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانی مخلوق کو پیدا فرما کر انسان کی صحیح ہدایت و رہ نمائی کے لیے انھیں میں سے انبیا و رسل علیہم الصلاۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔ اگر چہ بعض امتوں نے سمجھا کہ نبی و رسول انسان میں سے نہیں ہوتے، لیکن خالقِ کائنات نے اس کی حکمت یوں بیان فرمائی:

"وَقَالُوا لَوْ لَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ. وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ."

(الانعام: ۸-۹)

اسی طرح سے رب العزت نے جس انسان کو جتنا افضل بنایا، اسے اتنا ہی مکلف بنایا اور افضلیت کے اعتبار سے ذمہ داری بھی عطا فرمائی۔ ان تکلیفات میں بعض حقوق اللہ اور بعض حقوق العباد ہیں۔ ان حقوق میں میراث بھی ہے جو دین کے اور ارکان وفرائض کی طرح ایک رکن وفرض ہے اور ان جمیع ارکان کی ادائیگی کی طرح ترکہ کی تقسیم وارثین کے درمیان لازم ہے۔ لیکن آج کے اس مادی دور میں امت مسلمہ کا اکثر طبقہ اس فرض کی ادئیگی میں حد درجہ سستی اور لاپروائی برت رہا ہے، حتیٰ کہ بعض ایسے بھی مسلم ملتے ہیں جنھیں اتنا تک نہیں معلوم کہ ترکہ کی صحیح تقسیم اسلام میں بہت ضروری ہے۔ اس وجوب پر عدم عمل کے اسباب وعلل کیا ہیں، اس سلسلے میں بہت ہی اہم سوال ہے۔ جس کا جواب معاشرۂ اسلامی کو دیکھ کر چند لفظوں میں یہ دیا جا سکتا ہے، چوں کہ ہندوستانی اور غیر ہندوستانی سماج ومعاشرہ کے درمیان مبلغینِ اسلام نے اس موضوع پر بہت زیادہ خدمات انجام نہیں دیں۔ علیٰ سبیل المثال تبلیغ کے میدان میں خطبا، مقررین اور مصنفین ومولفین کا بڑا اہم کردار رہا ہے، لیکن دونوں مجال کے فکر و فن احکامات اسلامیہ کی حقیقی ترجمانی و دعوت وتبلیغ میں اپنی صلاحیت کا جادو دکھاتے رہے، مگر مسئلۂ میراث ان کے زبان وقلم پر بہت کم آیا۔ اس طرح اس موضوع پر خدمت کرنے سے وہ اتنے دور چلے گئے کہ جب تک واپس آتے بہت دیر ہو چکی تھی اور عوام الناس کا ایک بڑا طبقہ ناعلمی کی بنیاد پر اس اہم فرض پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ اور شاید یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ اگر اصول نہیں بلکہ فروع کے برابر بھی اس مجال میں توجہ ہوتی تو یقیناً یہ صورتِ حال درپیش نہیں ہوتی، اس کے ساتھ جواب کا یہ پہلو یہ بھی ہے کہ اگر بعض مسلمانوں کو معلوم بھی ہوتا تو متاعِ دنیا کے حرص ولالچ اور آخرت سے بے توجہی اس پر عمل کرنے سے روکتی ہے۔

قبل اسلام عرب میں نظام میراث: زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں میراث کی تقسیم کا رواج عام تھا اور اس پر ان کا عمل بھی تھا، البتہ تقسیمِ میراث کے اصول وقوانین عام طور سے ان کے ذہنی اختراعات تھے۔ ان کے نزدیک وارثین دو بنیادوں پر ترکہ کے اہل ہوتے تھے۔ **اول:** نسب، **ثانی:** سبب۔

نسب: یعنی وہ افراد جنھیں قرابت داری کی وجہ سے ترکہ ملتا تھا، وہ بڑے مرد ہوتے تھے جن میں جنگ کی صلاحیت ہوتی تھی۔ دشمنوں اور حریفوں سے قتال کر کے اپنی قوم کے لیے مالِ غنیمت جمع کرتے، اس طرح جو بڑا ہوتا، اسے ورثہ ملتا تھا۔ اگر میت کا کوئی لڑکا نہ ہوتا تو ایسی صورت میں عصبات میں جو قریبی اولیا ہوتے انھیں ورثہ ملتا تھا جیسے بھائی اور چچا وغیرہ۔ عورتوں کو، چھوٹے کم عمر لڑکے لڑکیوں کو وہ ترکہ نہیں دیتے تھے۔

سبب: اہلِ عرب تبنی کے سبب ترکہ دیتے تھے اور متبنیٰ کا وراثت میں وہی درجہ ہوتا تھا جو درجہ صلبی بیٹے کا ہوتا۔

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے درمیان دو چیزیں بہت زیادہ رواج پا چکی تھیں۔ **اولاً:** جو شخص کسی کو گود لیتا تھا اس کی موت یا طلاق کے بعد اس کی بیوی سے نکاح جس طرح صلبی بیٹے کے لیے حرام قرار دیتے تھے اسی طرح متبنیٰ کے لیے بھی حرام قرار دیتے تھے۔ **ثانیاً:** اہلِ عرب متبنیٰ کو اہلِ میراث میں شمار کرتے تھے۔ اسی طرح توارث

بالسبب میں توارث بالحلف اور معاہدہ بھی تھا۔ توارث بالحلف اس طرح ہوتا تھا۔ دو قبیلے کے دو لوگوں کے درمیان عقد کا قیام اس طرح ہوتا تھا کہ دونوں ہی ایک دوسرے سے کہتے تھے: میرا خون تمہارا خون ہے، میدانِ جنگ میں میری شکست تمہاری شکست ہوگی۔ تم میری مدد کروگے میں تمہاری مدد کروں گا اور تم میرے وارث ہوگے میں تمہارا وارث ہوں گا۔ اس طرح جب دونوں میں سے کوئی ایک مرجاتا تو مذکورہ حلف وقسم کی بنیاد پر دوسرا اس کا وارث بنتا تھا۔

اہلِ عرب قبلِ اسلام کم عمر بچوں اور عورتوں کو یہ کہہ کر شمار نہیں کرتے تھے کہ نہ یہ جنگ کرتے ہیں اور نہ ہی شہ سواری کے قابل ہیں۔ ان کا یہ عمل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس روایت سے پوری طرح واضح ہے، فرمایا:

"لما نزلت الفرائض التی فرض الله فیها ما فرض للولد الذکر و الانثی و الابوین کرهها الناس أو بعضهم و قالوا: تعطی المرأة الربع والثمن و تعطی الابنة النصف و یعطی الغلام الصغیر و لیس من هو لاء أحد یقاتل القوم ولا یجوز الغنیمة اسکتو عن هذا الحدیث لعل رسول الله صلی الله علیه وسلم ینساه أو نقول له فلیغیره، فقال بعضهم یا رسول الله: انعطی الصبی المیراث ولیس یغنی شیئا و کانو یفعلون ذلك فی الجاهلیة ولا یعطون المیراث إلا من قاتل یعطونه الأكبر فالأكبر."

(تفسیر جریر ابن طبری، ج:۸ص:۳۲)

زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب کا موقف عورتوں اور چھوٹے بچوں کے ساتھ یہی تھا۔ آج بھی بعض دنیادار مسلمان احکامات اسلام کے خلاف نازیبا الفاظ نکالتے ہیں اور سوءِ ادب سے کام لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت فرمائے۔

زمانۂ جاہلیت کے نظامِ میراث میں اسلام کا موقف:

قبلِ اسلام عام عربوں کی زندگی کفر وشرک میں رنگی ہوئی تھی۔ ان کے عقائد ان کے نبی کی تعلیمات سے بہت مختلف تھے۔ وہ اپنے نبی اور آسمانی کتابوں کے اکثر احکام میں تحریفات کرچکے تھے۔ اپنی زندگی کے اصول وقوانین اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب دیتے تھے۔ توراۃ وانجیل میں جو احکامات مکتوب تھے، ان کے بیشتر احکامات میں تبدیلی اپنی طبیعت اور ماحول کے مطابق لاتے تھے۔ ایسی بے معنی اور جہالت کی زندگی گزارنے والوں کے بیچ اسلام آیا تو عربوں کو مسائلِ میراث میں چند سالوں تک ان کی عادت پر رہنے دیا، پھر اللہ رب العزت نے تبنی کو اس قول سے:

"وَمَاجَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ. (الاحزاب:۴)

اور نہ تمہارے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا۔

اور اس قول سے:

"اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا آبَائَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْكُمْ."

(الاحزاب:۵)

انھیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے، پھر اگر تمھیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور بشریت میں تمہارے چچازاد۔

متبنی کے سلسلے میں ان کا یہ عمل بھی بہت معروف تھا اور اس پر بڑی سختی سے عمل کرتے تھے۔ اگر گود لینے والا مرجاتا یا وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا تو ایسی صورت میں متبنی اس کی بیوی سے شادی نہیں کرسکتا تھا۔ اسلام نے اس غلط اور بے بنیاد رسم کو بھی باطل قرار دیا اور صاحبِ تشریع اسلامی صلی اللہ علیہ وسلم نے زید ابن حارثہ کی مطلقہ بیوی زینب بنت جحش سے شادی فرماکر اہلِ عرب کے سامنے ان کی غلط روایات کو عملی طور پر باطل فرمایا۔ اس سلسلے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْ اَزْوَاجِ اَدْعِیَائِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا."

(الاحزاب:۳۷)

زمانۂ جاہلیت کی غلط رسوم میں تبنی کو میراث کے اسباب میں سے ایک سبب قرار دینا تھا جسے اسلام نے باطل کیا، کیوں کہ گود لیا ہوا، گود لینے والے کا حقیقت میں بیٹا نہیں ہوتا، بلکہ وہ اس کا اجنبی ہوتا ہے، لہٰذا اسے میراث کا حق دار قرار دینا حقیقت اور واقعیت کے خلاف کرنا ہے۔

رہ گئی بات حلف یا موالاۃ کے ذریعہ وراثت کا ثبوت تو یہ جمہور فقہا کے نزدیک منسوخ ہے البتہ بعض فقہا کے نزدیک ثابت

ہے۔(احکام القرآن، ج:۳،ص:۷۷)

ابتدائے اسلام میں شریعتِ مطہرہ نے ہجرت اور مواخات کی بنیاد پر وراثت کو جائز قرار دیا، اسی وجہ سے مہاجرین جو مکہ سے مدینہ گئے، وہ ہجرت کے سبب سے ایک دوسرے کے وارث ہوا کرتے تھے۔اسی طرح وہ مہاجرین وانصار جن کے درمیان سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوت قائم کی تھی اُسے سببِ میراث قرار دیا لیکن جب اللہ کے آخری اور محبوب دین میں لوگ جوق در جوق داخل ہونے لگے اور اسلام کی قوت ہر محاذ میں ظاہر ہوگئی تو شریعتِ مطہرہ نے ہجرت اور اخوت جو اولا اسلام میں اسبابِ میراث تھے اس قول سے منسوخ کیا:

"وَاُولُو الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ." (الاحزاب:٦)

اسلام کے اس آفاقی نظام میں چھوٹے بڑے، عورت مرد بلکہ جمیع انسان کے جملہ حقوق کی پوری حفاظت ہے۔ساتھ ہی ساتھ جاہلیت کے اس غیر منصفانہ رسم ورواج کے بطلان کے دلائل وبراہین بھی ہیں۔

مذہب مہذب نے حقوق کی پاس داری کی ہے، ہر شخص کو اس کا صحیح حق عطا کیا حتی کہ زوجیت کے قیام کو سبب میراث قرار دیا، آقا کو غلام کی آزادی کی وجہ سے میراث گردانا۔ان جمیع دائمی اصول وقوانین نے نظامِ جاہلیت کو اجمالاً اور تفصیلاً دونوں طرح سے ختم کر دیا۔اجمالی بطلان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول سے ظاہر ہے:

"لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا." (النساء:٧)

اور اہلِ عرب کے خود ساختہ اصول کا بطلان پورے طور پر اس آیت سے ظاہر ہے:

"يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِىْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ...... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا." (النساء:١١) تک

اللہ رب العزت کے اس فرمان میں

"اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ." (النساء:١٧٦)

ایسے زمانے میں عورتوں کے حقوق کی حفاظت کا اعلانیہ ذکر ہے۔جس دور کے لوگوں کے بیچ عورتوں کا کوئی معاشرتی مقام و درجہ نہیں تھا۔وہ عورتوں کے ساتھ حیوانیت کا سلوک کرتے تھے۔الحمد للہ آج بھی اعدائے اسلام کے لیے یہ آیت چیلنج ہے جو مذہبِ مہذب اسلام کے دائمی وابدی اصول ہیں، جو فطرتِ انسانیہ کے مطابق ہیں، یہ اعتراض کرتے ہیں کہ دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں عورتوں کے حقوق کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔عورتوں کے طرح بچوں کے لیے بھی اسلام نے ان کے حقوق کے اصول متعین کیے ہیں جن کے ساتھ اہلِ عرب حقوق کی عدم ادائیگی میں عورتوں کا سا سلوک کرتے تھے۔

یقیناً وراثت کا یہ اسلامی نظام مکمل طور سے عدل وانصاف پر مبنی ہے اور فطرت کے عین مطابق ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بیان کردہ یہ نظام اس وقت اور بھی واضح اور سورج کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے جب ہم ان سارے قوانین سے موازنہ کرتے ہیں جو انسانی ذہنیت کی پیداوار ہیں، خواہ یہ قوانین قدیم ہوں یا جدید۔اللہ تعالیٰ کے اس آفاقی دین کے اصول کو انسانی اصول کے درمیان جو امتیازی حیثیت حاصل ہے وہ اصل عقل و فکر کے نزدیک دن کی دوپہر میں سورج کی ٹکیہ کی طرح واضح ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس عظیم قانون میں انسان کے جمیع حقوق صحیح مستحقین تک پہنچانے کو واجب قرار دیا۔زمانۂ جاہلیت میں تقسیم ترکہ کے سلسلے میں عربوں نے طاقت ور اور شہ سوار کی رعایت کی تو اسلام نے کم زوروں کی رعایت کی۔اس لیے کہ کم زور اعانت ومدد کے زیادہ حق دار ہوتے ہیں۔اس سلسلے میں سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"انك ان تذر ورثتك أغنياء خير من أن تدعهم ماله يتكففون الناس." (نيل الاوطار، ج:٦،ص:٤٠)

اسلامی نظامِ میراث میں طاقت ور کو محروم نہیں کیا بلکہ ایک جامع قاعدہ بیان کیا، جس میں کم زور طاقت ور، بڑے چھوٹے اور عورت و مرد ہر کوئی داخل ہے۔قاعدہ یہ ہے: ہر وہ شخص جس میں اسبابِ میراث کا کوئی سبب پایا جائے اور اس سے موانع میراث منتفی ہوں تو بہر صورت وہ ترکہ کا حق دار ہے۔" جیسا کہ پہلے میں نے ذکر کیا کہ زمانۂ جاہلیت میں منفعت والے پہلو کی رعایت کی جاتی تھی اس لیے وہ صرف بڑے مرد اور شہ سواروں کو ہی ترکہ دیتے تھے جو اپنی قوم کے لیے اموالِ غنیمت اکٹھا کر سکتے تھے۔لیکن اسلام نے غلط رسوم کو مٹا دیا اور وجہ بطلان بھی ذکر کیا اور اس کے ساتھ ہی ایک قانون کا ذکر کرتے ہوئے کہا: "جو لوگ بہت زیادہ قریب ہیں وہ دور کے رشتہ داروں سے

زیادہ مستحق اور نفع بخش ہیں" جو ارشادِ خداوندی سے واضح ہے:

"اٰبَآؤُكُمۡ وَ اَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ وَ اَیُّهُمۡ اَقۡرَبُ لَكُمۡ نَفۡعًا." (النسآء:۱۱)

دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے:

"لَّا یَاۡتِیۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَ لَا مِنۡ خَلۡفِهٖ ؕ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَكِیۡمٍ حَمِیۡدٍ." (فصلت:۴۲)

فرائض کی شرعی حیثیت: فرائض کی مشروعیت میں اصل کتاب اللہ، سنت رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام اور اجماع امت ہے۔ اجتہاد و قیاس کے لیے اس میں راہ نہیں۔ البتہ اجتہاد و قیاس پر اجماع امت قائم ہو تو مقبول ہے ورنہ نہیں۔ مشروعیت کے دلائل میں میں پہلے مصدر اول کتاب اللہ کا ذکر کروں گا، پھر بالترتیب سنت رسول اور اجماع امت۔ کتاب اللہ سورہ نسا میں تین ایسی آیتیں ہیں جن میں میراث کی پوری تفصیل ہے۔

پہلی آیت: "یُوۡصِیۡكُمُ اللّٰهُ فِیۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ ۗ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ فَاِنۡ كُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَیۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَ اِنۡ كَانَتۡ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصۡفُ ؕ وَ لِاَبَوَیۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ یَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّةٍ یُّوۡصِیۡ بِهَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمۡ وَ اَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَیُّهُمۡ اَقۡرَبُ لَكُمۡ نَفۡعًا ؕ فَرِیۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیۡمًا حَكِیۡمًا." (النسآء:۱۱)

اللہ تمھیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں، بیٹوں کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے، پھر اگر نری لڑکیاں ہوں اگرچہ دو سے اوپر تو ان کو ترکہ کی دو تہائی اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کو آدھا اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا، اگر میت کے اولاد ہو، پھر اگر اس کے اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں کا تہائی، پھر اگر اس کے کئی بہن بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا بعد اس وصیت کے جو کر گیا اور دین کے تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم کیا جانو کہ ان میں کون تمہارے زیادہ کام آئے گا۔ یہ حصہ باندھا ہوا ہے اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں پہلے میت کی اولاد پھر ابوین یعنی ماں باپ کے ترکہ کا ذکر فرمایا، پھر تفصیل بیان فرمائی کہ اولاد کے میراث کی تین صورتیں ہیں، صرف بیٹے ہوں، صرف بیٹیاں ہوں یا بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہوں۔ اگر صرف بیٹے ہوں تو ان کا متعین حصہ ذکر نہیں فرمایا، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ عصبہ ہیں انھیں آپس میں برابر ملے گا۔ صرف بیٹیاں ہوں تو ان کا حصہ اس طرح بیان فرمایا۔ ایک بٹی کے لیے آدھا۔ دو یا دو سے زیادہ کے لیے دو تہائی اور بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہوں تو ان کا مقدار حصہ بیان نہیں کیا، جس میں واضح ہے کہ وہ عصبہ ہیں۔ اس لیے لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ کے تحت ایک بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر ملے گا۔ ابوین کی بھی دو صورتیں بیان کی ہیں۔

پہلی صورت: میت کے بیٹے اور بیٹیوں میں سے کوئی اولاد ہو۔

دوسری صورت: میت کے کوئی اولاد نہ ہو۔

پھر پہلی صورت کی دو صورتیں ہیں جو اوپر کے ترجمہ سے پوری طرح واضح ہے۔

دوسری آیت: "وَ لَكُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ اَزۡوَاجُكُمۡ اِنۡ لَّمۡ یَكُنۡ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّةٍ یُّوۡصِیۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ اِنۡ لَّمۡ یَكُنۡ لَّكُمۡ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَكُمۡ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّةٍ تُوۡصُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ وَ اِنۡ كَانَ رَجُلٌ یُّوۡرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امۡرَاَةٌ وَّ لَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِی الثُّلُثِ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّةٍ یُّوۡصٰی بِهَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ۙ غَیۡرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِیَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیۡمٌ حَلِیۡمٌ." (النسآء:۱۲)

اور تمہاری بیبیاں جو چھوڑ جائیں ان میں سے تمھیں آدھا ہے، اگر ان کی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے تمھیں چوتھائی ہے، جو وصیت وہ کر گئیں اور دین نکال کر اور تمہارے ترکہ میں عورتوں کا چوتھائی ہے اگر تمہارے اولاد نہ ہو پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں آٹھواں جو وصیت تم کر جاؤ اور دین نکال کر اور اگر

کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ بٹتا ہو جس نے ماں باپ، اولاد کچھ نہ چھوڑے اور ماں کی طرف سے اس کا بھائی یا بہن ہے تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا، پھر اگر وہ، بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب تہائی میں شریک ہیں میت کی وصیت اور دین نکال کر جس میں اس نے نقصان نہ پہنچایا ہو۔ یہ اللہ کا ارشاد ہے اور اللہ علم والا اور حلم والا ہے۔

آیت مذکور میں رب کائنات نے زوجین کی میراث کا ذکر فرمایا اور پوری تفصیل کے ساتھ دونوں کی دو حالتوں کو بیان فرمایا جو ترجمہ سے پوری طرح واضح ہے۔ بعد زوجین کے اولاد ام یعنی ماں کی طرف سے بھائی بہن کے میراث کا ذکر فرمایا جنھیں کلالہ کی وجہ سے ترکہ ملتا ہے۔ ان کے حصہ کے سلسلے میں بیان فرمایا کہ اگر ایک ہو تو چھٹا اور دو یا دو سے زیادہ کی صورتوں میں دونوں تہائی میں برابر کے شریک ہوں گے۔ اس صورت میں بھائی کو بہن سے زیادہ نہیں ملے گا۔ اس کی مصلحت کیا ہے، جواب صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم، لیکن علماے اسلام نے یہ وجہ بیان فرمائی ہے: ''چوں کہ بھائی اور بہن دونوں کا اتصال میت تک ماں کے ذریعہ ہوا اور یہ مونث ہے۔ یہاں باپ کی جہت نہیں پائی گئی، جس کی وجہ سے مذکر یعنی بھائی کو مونث یعنی بہن سے زیادہ نہیں ملے گا بلکہ دونوں کو برابر ملے گا۔

تیسری آیت: ''یَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ یَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔'' (النساء:۱۷۶)

اے محبوب! تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں، تم فرما دو کہ اللہ تمھیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے۔ اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے اور مرد اپنی بہن کا وارث ہوگا اگر بہن کی اولاد نہ ہو پھر اگر دو بہنیں ہوں ترکہ میں ان کا دو تہائی اور اگر بھائی بہن ہوں، مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر۔ اللہ تمہارے لیے انصاف بیان فرماتا ہے کہ کہیں بہک نہ جاؤ اور اللہ ہر چیز جانتا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں ان افراد کے میراث کا ذکر ہے جو باپ کی طرف سے بھائی بہن ہوں۔ آیت مبارکہ اور ترجمہ سے واضح ہے کہ ان کی تین صورتیں ہیں۔ تفصیل اس موضوع کا متقاضی نہیں ورنہ ذکر کرتا۔

احادیث نبویہ شریفہ صلی اللہ علیہ وسلم: اکرم الخلق صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ساری احادیث مبارکہ میں میراث کی شرعی حیثیت کا ذکر ہے۔ جن احادیث میں میراث کی تقسیم، فرضیت اور وارثین ومورثین کی پوری تفصیلات موجود ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''الحقوا الفرائض بأهلها فما بقي فالأولى رجل ذكر.'' (نیل الأوطار، ج:٦، ص:٥٦)

اس حدیث شریف میں اولی کا معنی اقرب ہے۔ اس حدیث کو آیات سابقہ کی تینوں آیتوں کے تناظر میں دیکھیں تو آپ پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ احکام میراث کے جو مبہمات ہیں وہ پورے طور پر بیان ہیں حتی کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اصحاب فرد جن کو ترکہ دینے کے بعد جو بچ جائے اس کا مصرف بھی بیان ہے۔ وہ اقرب عصبہ بالنسب ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''انما الولاء لمن اعتق.'' (نیل الأوطار، ج:٦، ص:٧٤)

اللہ رب العزت کے اس فرمان:

''واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله.''

اور سید الانبیا علیہ الصلاۃ والسلام کی اس حدیث:

''الخال وارث من لا وارث له.''

میں اقارب میں سے کسی ذوی الفرض اور عصبہ کی عدم موجودگی میں ترکہ کے مصرف کا بیان ہے کہ ایسے وقت میں ترکہ ان بقیہ اقارب کو ملے گا جو اہل فرض یا عصبہ میں سے نہیں ہیں۔ اس مسئلہ میں فقہا کا اختلاف ہے، تفصیل مصادر وماخذ میں موجود ہے، زیر بحث عنوان اس بات کا متقاضی نہیں۔ مذکورہ حدیث کو احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ صاحب ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ (فتح الباری، ج:١٢، ص:٣٠)

علم فرائض کی ضرورت واہمیت: علم فرائض بہ نسبت دیگر علوم کے بہت مشکل ہے، مرتبہ کے اعتبار سے اعلیٰ ہے اور اس علم کا اجر بہت زیادہ ہے، کیوں کہ یہ دینی اور قرآنی علوم میں سے ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کس وارث کو کتنا ملے گا اور کس صورت میں کس کو کتنا ملے گا، پوری

تفصیل ذکر فرمائی۔ اسی طرح اس مقدار کے بیان کو کسی مقرب فرشتہ یا نبی ورسول کی جانب تفویض نہیں کیا۔ فرائض کی تفصیل کے لیے سورۂ نسا کی شروع اور آخر کی آیات نازل فرمائیں اور ان فرائض کو یعنی متعینہ حصے کو اپنے حدود کا نام دیا، ان مومنین کے لیے جو فرائض کے نفاذ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پوری اطاعت کرتے ہیں۔ ایسے باغات کا وعدہ فرمایا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ ارشاد فرماتا ہے:

"تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ." (النسآء:۱۳)

علمِ فرائض کی اہمیت کے بارے میں سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث ہیں جن سے واضح ہے کہ علمِ فرائض کی اہمیت دوسرے علوم کی بہ نسبت کتنی زیادہ ہے، اور امتِ اسلامیہ کے عوام وخواص کو اس علم کے فروغ کے ساتھ ساتھ علمِ فرائض پر عمل کرنے کی کتنی ضرورت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"العلم ثلاثة وما سوى ذلك فضل آية محكمة و سنة قائمة و فريضة عادلة." (ارواء الغليل: ١٦٦٤)

یہ حدیث ضعیف ہے۔

عظیم المرتبت صحابی رسول ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تعلموا القرآن و علموه الناس و تعلموا الفرائض و علموها الناس و تعلموا العلم و علموه الناس فاني امرء مقبوض و إن العلم سيقبض و تظهر الفتن حتى يختلف الإسنان في الفريضة لا يجدان من يفصل بينهما." (تفسیر قرطبی، ج:۵، ص:٤٤)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے دوسری روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان الله تعالى لم يكل قسم مواريثكم الى نبي مرسل ولا الى ملك مقرب ولكن تولى بيانها فقسمها أبين قسم." (احکام الورایت:۱۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

"تعلموا الفرائض و علموه الناس فإنه نصف العلم و هو أول شيئ ينسر و هو أول شيئ ينتزع من امتي." (ابن ماجہ:۲۸۱۹)

اس حدیث کو اکثر محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا۔ بیہقی کی روایت میں ہے:

"تعلموا الفرائض فإنه من دينكم و انه نصف العلم و انه اول علم ينتزع من امتي." (احکام الورایت:۱۹)

ان مذکورہ احادیث طیبہ میں علمِ فرائض سیکھنے کی ترغیب ہے اور ان احادیث سے اہمیتِ علمِ فرائض بھی ظاہر ہے۔ علمائے اسلام کا حدیثِ رسول کے ان الفاظ "فانها نصف العلم" کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک فریق نے یہ معنی بیان کیا: "نصف علم ہونے کا معنی حال کے اعتبار سے ہے۔ چوں کہ انسان کی دو حالتیں ہوتی ہیں، حالت حیات اور حالت وفات۔ اس لیے یہ تاویل الفاظ سے زیادہ قریب ہے کہ فرائض حالت وفات سے متعلق ہیں اور باقی عدم حالت حیات سے متعلق ہیں۔" دوسرے فریق نے اس معنی میں کہا: "نصف علم سے مراد یہاں دونوں قسموں میں سے ایک ہے، اگر چہ دونوں قسمیں مساوی نہیں اس لیے فرائض علم کی ایک قسم ہے اور بقیہ علم دوسری قسم میں آتے ہیں۔ اور چوں کہ فرائض دو قسموں میں سے ایک ہے، اس لیے نصف علم کہا گیا۔ بعض فقہا نے نصف سے مراد صنف لیا ہے، جب کہ بعض نے اسباب ملکیت کی تقسیم اختیاری اور قہری کر کے علم فرائض کو قہری میں شامل کیا۔ بہر حال مراد جو بھی ہو لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ سلف اور خلف کے اکثر فقہائے اسلام نے اس علم کا بہت زیادہ اہتمام کیا۔ اپنے اکثر اوقات اس فن کی تعلیم اور اس کے قواعد کی تحریر میں اس نہج پر وقف کیا جس طرح سید الخلق علیہ الصلاۃ والسلام نے اس فن کی تعلیم وتعلم کے فروغ پر ابھارا۔ امت اسلامیہ کے ان عظیم علم برداروں نے اپنے شب و روز ایک کر کے علوم قرآنیہ کے فروغ کے لیے بہت سی عظیم تالیفات قیامت تک کے مومنین کو ورثہ میں عطا کیں۔

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تعلموا الفرائض فانها من دينكم."

ایک مرتبہ آپ نے امتِ مسلمہ کے سامنے یہ بھی فرمایا:

"اذا تحدثتم فتحدثوا بالفرائض واذا لهوتم فالهو بالرمي."

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اس فرمان: "الا تفعلوہ تکن فتنة فی الارض و فساد کبیر." کا معنی یہ بیان فرمایا:

"اگر تم میراث فرمانِ الٰہی کے مطابق نہیں لو گے تو دنیا میں فتنہ اور بڑا فساد پیدا ہوگا۔"

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"مثل الذی یقرأ القرآن ولا یحسن الفرائض کمثل برنس لا رأس لہ."

صاحبِ کتاب الفروض حضرت امام قرانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، امتِ اسلامیہ کا اجماع ہے کہ اس علم کا سیکھنا فرضِ کفایہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ولید بن مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ کسی باغیچے میں داخل ہوئے اور سوائے سفید انگوروں کے تمام پھلوں میں سے کچھ نہ کچھ کھائے۔ اس خواب کی تعبیر جب اپنے استاذ شیخ الاوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کی تو شیخ نے فرمایا:

"تمہیں سوائے فرائض کے تمام علوم میں دسترس ہوگی کیوں کہ فرائض جوہر العلم ہے۔ جس طرح کہ سفید انگور تمام انگوروں کا جوہر ہے۔"

اہمیتِ علمِ میراث پر اور بھی احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس علم کا اہتمام کرنا کتنا ضروری ہے۔ آج ضروری ہے کہ اس علم کے فروغ میں وہی کردار ادا کریں جو اسلاف نے کیا اور ہم پر یہ لازم ہے کہ امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی حفاظت کریں تا کہ یہ علم باقی رہے۔

یہود و نصاریٰ کے منفی افکار: اس کائنات میں انسان تھا، انسانیت نہیں تھی، لوگ تھے، اپنی زندگی کی ہر خواہش پوری کرتے تھے لیکن سب کچھ اپنے انداز میں۔ کسی کو کسی کے حقوق کی پروا نہیں تھی۔ اہلِ طاقت وقوت اپنی درندگی، حیوانیت اور سفاکانہ طرزِ عمل سے اپنے غیر کو غلامیت پر مجبور کرتے تھے، اتحاد و بھائی چارگی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ انسان انسان سے پیار و محبت کرنا بھول گیا تھا۔ مردوں کی زندگی میں عورتوں کی حیثیت ان کے کپڑوں کے برابر بھی نہیں تھی۔ حد تو یہ تھی کہ مرد جس طرح چاہتا عورت کو استعمال کرتا۔ غریب و نادار کا تو کوئی پرسان حال ہی نہیں تھا۔ دینی اور دنیوی زندگی کے ہر شعبے میں تاریکی چھا چکی تھی۔ ایسے ماحول میں کامیاب زندگی کے چراغ روشن کرنا کتنا مشکل ہوگا، ان دلوں کو جو باطل عقائد کی آلودگی سے کالے ہو گئے تھے۔ ان کو صاف کر کے ایمان کے نور سے منور کرنا کتنا کٹھن ہوگا۔ درحقیقت ہم اسے صحیح تصور بھی نہیں کر سکتے، کیوں کہ کسی قوم کو اس کے آبا و اجداد کے رسوم و رواج اور تقلیدات سے ہٹا کر کسی اور عقائد و تعلیمات کی پابندی کی دعوت دینا واقعی میں بہت مشکل کام ہے۔ لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربِ قدیر کی مدد سے اس کے احکامات و تعلیمات کو اس طرح عام کیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود یہ اعلان فرما دیا:

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا." (المائدۃ:۳)

آپ کے صحابہ بھی قرآن و سنت کو اسی نہج پر عام کرتے رہے، جس راستے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر اپنی امت کے سامنے چل کر دکھایا تھا۔ لیکن بعد میں ایک زمانہ ایسا آجاتا ہے جب مسلمان اسلامی تعلیمات سے پہلو تہی کرنے لگتے ہیں، اپنی ہی تاریخ سے اپنے آپ کو مٹانا شروع کر دیتے ہیں اور رشد و ہدایت اور تعلیماتِ اسلام سے اتنی دور چلے جاتے ہیں کہ وہ خدمات جو ایک مسلمان انجام دے رہا تھا اور ان خدمات سے ترقی و بلندی کے تقریباً سارے مراحل کو عبور کر چکا تھا، وہ سب کچھ اعدائے اسلام اور دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں چلی جاتی ہیں اور تہذیب وثقافت اور بلند فکری جو ہماری تھی، اس کا فائدہ اٹھا کر ہم ہی پر وار کرنا شروع کر دیا اور ان کے حملوں کی شدت کی صورت حال یہ ہے کہ ابھی ہم ایک زخم پر مرہم پٹی ہی کر رہے ہوتے ہیں کہ دوسرا اس سے بڑا حملہ ہو جاتا ہے۔

ان کی طرف سے اسلامی احکامات و تعلیمات پر ہونے والے بڑے حملوں میں ایک مسئلہ میراث بھی ہے۔ اس زمانے میں جب عورتوں کی مردوں کے درمیان کوئی قیمت نہیں تھی اسلام نے انہیں عزت و آبرو کی نعمت سے سرفراز کیا۔ ماں کو ماں، بیٹی کو بیٹی اور بہن کو بہن کا درجہ عطا کیا، یقیناً ہر عورت کو اس کا صحیح حق عطا کیا۔ اور آج جب مغربی تہذیب اور تعلیم وفکر نے عورتوں کو ماڈرن بنا کر ایک بار پھر زمانۂ جاہلیت کے رنگ میں رنگ دیا ہے، عورتوں کو خورد و نوش کی اشیا کی طرح اپنی ہوس مٹانے کے لیے اور عیاشی کی زندگی گزارنے کے لیے بازاری چیز بنا دیا ہے، وہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کے حقوق کے سلسلے میں انصاف نہیں کیا کیوں کہ اسلامی اصول کے تحت عورتوں کو اکثر وبیش تر مردوں کے مقابلے آدھا یا اس سے کم ترکہ ملتا ہے، حالاں کہ سچ کچھ اس طرح نہیں ہے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ساری صورتیں ایسی ہیں جن

میں عورتوں کو مردوں کے مقابلے دوگنا یا زیادہ ترکہ ملتا ہے، جس میں خالقِ ارض وسما کی بڑی عظیم حکمت بھی ہے۔ اگر آج اہلِ عقل وفکر فرائض میں تقسیمِ ربانی کو دیکھیں تو انھیں سب کچھ فطرت کے مطابق ہی لگے گا، مثال کے طور پر چند وہ صورتیں جن میں عورتوں کو زیادہ ملتا ہے۔

پہلی صورت: مرنے والی عورت ہو اور اس کے پیچھے اس کا شوہر ہو اور ایک بیٹی، خواہ یہ بیٹی اس شوہر سے ہو یا اس سے پہلے والے سے۔ ایسی صورت میں اس لڑکی کو اس آیتِ کریمہ کے تحت آدھا ملے گا:

"یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِیۤ اَوۡلَادِکُمۡ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ فَاِنۡ کُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَیۡنِ فَلَھُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ وَاِنۡ کَانَتۡ وَاحِدَۃً فَلَھَا النِّصۡفُ." (النساء:۱۱)

اور شوہر کو اس آیتِ مبارکہ کے تحت چوتھائی ملے گا:

"فَاِنۡ کَانَ لَھُنَّ وَلَدٌ فَلَکُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکۡنَ." (النساء:۱۲)

وہ لوگ جو غیروں کی فکر اور تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام کی حقانیت کو تسلیم نہیں کرتے، ان دونوں آیتوں میں دل کا دروازہ کھول کر غور کریں کہ عورت کو مرد کا دوگنا مل رہا ہے یا نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر بغض وعناد سے خالی ہو کر دیکھیں گے تو اسلامی اصول کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

دوسری صورت: جو ماں کی طرف سے بھائی بہن ہیں، اگر ایک ہو تو چھٹا ملے گا اور دو یا دو سے زیادہ کی صورت میں اس آیت کے تحت تہائی میں بھائی بہن برابر کے شریک ہوں گے، بھائی کو بہن سے زیادہ نہیں ملے گا۔ آیتِ قرآنیہ یہ ہے:

"وَاِنۡ کَانَ رَجُلٌ یُّوۡرَثُ کَلٰلَۃً اَوِ امۡرَاَۃٌ وَّلَہٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا السُّدُسُ فَاِنۡ کَانُوۡۤا اَکۡثَرَ مِنۡ ذٰلِکَ فَہُمۡ شُرَکَآءُ فِی الثُّلُثِ." (النساء:۱۲)

یہ ہیں چند مثالیں جو ان معاندینِ اسلام کے لیے کافی ہیں جن کی زندگی کا مقصد ہی ہے اسلام کے حق کو نقص بنا کر پیش کرنا۔ اسلام کی حقانیت کا رخ موڑ کر بطلان کی راہ دینا اور جس دین کی بنیاد امن وسلامتی قائم کرنا ہے، اسے اختلاف وفساد کا سبب تصور کرنا، لیکن انھیں معلوم نہیں ہمارا دین وقرآن قیامت تک کے لیے، ان کے لیے چیلنج ہیں اور ہم انھیں دعوتِ نظارہ دیتے ہیں کہ آؤ اور ہماری تعلیمات کو منصف ہو کر پڑھو، ہدایت پاؤ گے، روشنی میں آجاؤ گے، ایک کامیاب زندگی مل جائے گی۔

مذکورہ دونوں مثالوں کے علاوہ اور بھی بہت ساری صورتیں ہیں جن میں عورتوں کو مردوں کے برابر یا مردوں سے زیادہ ترکہ ملتا ہے۔ بعض محققین نے ۳۷ صورتیں ایسی دکھائی ہیں جن میں مستشرقین کے بے معنی اعتراض کا جواب ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بہت سی صورتوں میں مردوں کو زیادہ ملتا ہے، جس کی ایک حکمت یہ ہے کہ مرد کی ذمہ داری عورت سے کہیں زیادہ ہے۔ ایک مرد کو جتنے حقوق ادا کرنے پڑتے ہیں ایک عورت کو نہیں، چاہے زمانے کی رو میں ڈھلنے والے اور مذہب اسلام کو تعنت وتعصب کی نظر سے دیکھنے والے جتنا بھی کچھ کہیں انھیں اس حقیقت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہی پڑے گا: "الرجال قوامون علی النساء۔" (النساء:۳٤) ایک مرد میں جتنی قوتِ مدافعت ہوتی ہے ایک عورت میں نہیں۔ ساجی، لہٰذا عورتوں کے ذہن و دماغ کو بدلنے والوں سے میں صرف اتنا کہوں گا کہ اس زمانے میں تمھاری قدامت کی سب سے بڑی اور کھلی دلیل یہ ہے کہ آج تم نے تمھاری فکر کی اتباع کرنے والی عورتوں کو برہنہ اور ننگا کر کے فیشن کا نام دے دیا ہے، جس پر وہ خوش ہیں۔ تم نے عورتوں کو اپنی خواہشات مٹانے کا محض ایک ادنیٰ سامان بنا دیا ہے۔ اپنی آنکھوں سے دیکھو، تمھاری نسلیں تمھاری زندگی ہی میں یہ فکر لے کر گھوم رہی ہیں، عورت کیا ہے، کچھ بھی نہیں، ہماری زندگی میں اس کی حیثیت صرف اتنی ہے "Use & Throw" یعنی استعمال کرو اور جوتوں کی طرح نکال کر باہر پھینک دو۔

میں ان عورتوں کے ساتھ عصری علوم کے دائرے میں آنکھ کھولنے والی اسلامی بہنوں اور غیر اسلامی دوشیزاؤں کو یہ دعوتِ نظارہ دیتا ہوں کہ اسلامی تعلیمات فطرت کے عین مطابق ہیں، یہی آپ کو آپ کی دینی و دنیوی زندگی کے ہر مجال میں کامیابی کے منازل سے ہم کنار کرے گی۔ آپ ان عورتوں کو دیکھ کر عبرت حاصل کر سکتی ہیں اور معاشرے کو دیکھ کر مغربی تہذیب وروایات کو جھٹلا سکتی ہیں جس معاشرے کے مرد عام طور سے اپنے جسم کو ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں جب کہ عورتوں کو برہنہ کیے ہوتے ہیں۔ یاد رکھو، تعلیماتِ الٰہیہ ہی ابدی ہیں، اسی میں سچی خوشی ہے اور عظیم کامیابی بھی۔ جاتے جاتے ہدایت کے لیے میں اتنا کہوں گا کہ خدارا مساوات کے نام پر چند لمحوں کی خوشی حاصل ہونے والی تعلیم وفکر سے اپنے آپ کو دور رکھیں، کیوں کہ اللہ وحدہ لاشریک کا اعلان ہے: "الرجال قوامون علی النساء۔" (النساء:۳٤) اور یہ آپ کے نزدیک اور بھی اچھی طرح ظاہر ہے کہ ایک عورت کو اس کی زندگی کے ہر لمحے میں ایک مرد کی ضرورت ہے، مرد کے بغیر ہر محاذ پر، ہر مجال میں وہ کمزور ہی کمزور ہے۔ اہلِ ہوش وخرد، غور کرو!!!

مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

مولانا محمد اسحاق رضوی

اللہ تعالیٰ نے اسلام کے قواعد، اصول، احکام، عقائد یہ سب کچھ اپنے پیارے نبی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھائے اور آپ نے اپنے صحابۂ کرام کو، انھوں نے اپنے بعد والوں کو یہاں تک کہ وہ سب کچھ ہم تک آ گیا۔ قرآن پاک محفوظ ہے، حدیثِ پاک کی تقریباً ہزاروں کتابیں اور لاکھوں صفحات اسی رنگ و نور سے چمک رہے ہیں۔ حدیث کی روایت کرنے والوں کے اعتبار سے اس سے ثابت ہونے والے احکام کے درجے ائمۂ کرام نے تمام سرمایہ کو سامنے رکھ کر معین کر دیے ہیں۔ قرآن پاک اور حدیث مبارک سے زندگی سے متعلق تمام احکام مکمل کر دیے گئے ہیں، جن کی تفصیل کا نام علم فقہ ہے۔ علم فقہ نہ تو عربوں کے چال چلن کا نام ہے اور نہ ہی کسی فلسفی کی تحقیقات، نہ ہی کسی بادشاہ اور قوم کے فرمانوں کا مجموعہ اور نہ ہی کسی خاص ملک و طبقے کے لیے، بلکہ یہ تفصیل ہے ان احکام کی جو قرآن پاک اور سنت رسول صلی اللہ علی وسلم میں بتائے گئے ہیں۔

تمام امت نے اس کی تفصیل چار مذاہب میں درست طور پر تسلیم کی ہے، باقی کو اجماعاً رد کر دیا گیا ہے۔ البتہ وقتِ ضرورت کسی نئے حادثہ کے لیے کتاب و سنت و فقہ کے تمام ورثہ میں علماے کرام کو حکم تلاش کرنے کی اجازت ہے بلکہ لازم ہے۔

تو دینِ اسلام نام ہے ان عقائد کا جو ہم تک سلفِ صالحین سے آئے ہیں اور ان تمام احکام کا جو فقہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ البتہ ان احکام میں فرض، واجب، سنت، مستحب و مباح اور تقابل میں حرام، مکروہ تحریمی، بدعت و خلاف اولیٰ وغیرہ ہیں اور ان کو اسی طرح سے سمجھنا اور عمل میں لانا ضروری ہے، جیسے ان کو بتایا گیا ہے۔ جن احکام کو امت نے جیسا سمجھا ہے اور ان پر اتفاق کیا ہے ان کو ویسا ہی رکھنا ضروری ہے۔ کچھ استثنائی صورتوں کے لیے فقہاے کرام نے ہر بحث میں تفصیل کر دی ہے۔ اس میں لباس، صورت، غذاؤں اور تمام احوال میں اسلامی انداز، عبادات و معاملات، عائلی اور سیاسی حالات شامل ہیں۔ ہر دور میں امت نے اس کی اتباع کی ہے۔

اسی اسلامی تفصیل اور درست راستے سے ہٹنا اسلام کے خلاف جانا ہے۔ آج کل مغرب کی گم راہی کے زیرِ اثر چند لوگ جو خود کو مسلمان کہتے ہیں، اس طرح کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں داڑھی، کرتا یعنی اسلامی تشخص اور انداز دین کے لیے کوئی ضروری نہیں بلکہ آدمی کو سچا انسان بننا چاہیے۔ یہ بات ظاہر میں بڑی سادہ ہے مگر حقیقت میں اتنی ہی الجھی ہوئی ہے۔

یہ داڑھی ضروری نہیں تو مطلب کلین شیو رہنا صحیح۔ کرتا ضروری نہیں بلکہ کرتے سے مراد وہ اسلامی لباس ہے جو جسم کو حدِ شرع چھپائے، مطلب ہے اسلامی لباس ضروری نہیں یعنی ایسا لباس صحیح ہے جو جسم کو حدِ شرع نہ ڈھانکے۔ اسی طرح یہ لوگ شراب و جوا، لاٹری، عورتوں کا آزادانہ اختلاط، ٹائی یا دوسری قوموں کی مذہبی علامتیں، ان سب چیزوں کو اسلام کے خلاف نہیں سمجھتے ہیں، اور جو لوگ اسلامی تشخص کو مسلمانوں کے لیے لازم قرار دیتے ہیں، ان کو قدامت پسند کہتے ہیں۔ یہ لوگ اسلامی اقدارِ حیات کے سامنے یورپ کی قدروں کو لا کھڑا کر دیتے ہیں۔ ابتدا ہوئی تھی کھڑے ہو کر کھانے سے پھر داڑھی کو ختم کیا گیا، اس کے بعد سترِ عورت یا بدن کے ضروری چھپائے جانے والے حصوں کی نمائش ہوئی اور آج بات تمام اسلامی احکامات تک آ گئی۔ اگر اس کی ابتدا ہی نہ ہوئی ہوتی تو شاید مسلمانوں میں اس طرح کے لوگ پیدا نہ ہوتے، جو آج مسلمانوں کے نام رکھ کر پوری اسلامی زندگی کے [illegible] کر رہے ہیں۔ ان چیزوں کی ابتدا کرنے میں ہماری قوم کے وہ چند حضرات بھی ملوث رہے ہیں جو انگریزی طور طریقے سے بہت زیادہ مرعوب تھے۔

کوئی قوم مکمل بری نہیں ہوتی ہے: انگریزوں میں آپسی اتحاد، اقدار کا لحاظ اور تعلیم و تحقیق و فتح عالم کا اگر شوق تھا اب سے سو سال پہلے تو مسلمانوں کو اس کو لینے میں کوئی قباحت نہیں تھی، مگر اس کے ساتھ سنتوں کو رد کرنے، اسلامی وضع قطع کو چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ سرسید اور ان کے رفقاے کار کا جہاں یہ بہت اچھا کام ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کو

جدید علوم سے روشناس کرایا وہیں ان سے یہ بہت بڑی بھول بھی ہوئی کہ انھوں نے اسلامی تشخص کے مقابلے مغربی اقدار حیات کو فروغ دیا، جسے سوانح نگار جانتے ہیں۔ اس جماعت کے بہت سے لوگ شراب وغیرہ بھی انگریزوں کے طور طریقے پر استعمال کرتے تھے۔

دین میں اصل احکام سے گریز: ظاہر ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا نظام اور عقیدہ ضرور اختیار کیا جائے گا، سابقہ ادیان کے ساتھ یہ کمزوری آج بھی موجود ہے اور قرآن پاک کے نازل ہوتے وقت بھی تھی کہ ان کے ماننے والوں میں کوئی جماعت اپنے دین کی مکمل صحیح نمائندگی کرنے والی نہیں تھی اور نہ ہی انھوں نے اصل تعلیم کو محفوظ رکھا۔ یہ بات صرف خوش عقیدگی یا لاف وگزاف نہیں بلکہ مباحثے کی میز پر ثابت کی گئی ہے اور دنیا کے تمام مذاہب اسلامی تعلیمات کی بقا، حفاظت اور شفافیت کو تسلیم کرتے ہیں تو اسلامی تشخص سے بغاوت کسی بہانے بھی جائز نہیں قرار دی جاسکتی چاہے وہ عورتوں کے پردہ کا نظام ہو یا مردوں کے لباس کی صورت ہو یا اور کسی حرام وحلال کی بات ہو۔ ہاں یہ تو ہوسکتا ہے کہ کوئی جماعت یا کوئی عالم کسی بات کی تفصیل میں چوک جائے یا کسی کی غلط خبر سے دھوکا کھا جائے تو وہ اس کی رائے ہوگی۔ پوری امت اور ملت اس سے جڑی ہوئی نہیں ہوسکتی ہے۔ آج تمام اسلامی ممالک میں خاص کر اور مسلمانوں کی آبادیوں میں عمومی طور پر مغرب اور دوسری کافر اقوام اس بات کی کوشش کر رہی ہیں کہ مسلمانوں کو ان کے تشخص سے دور کر دیا جائے اور اس کے لیے وہ فلموں، ذرائع ابلاغ اور درس گاہوں کو استعمال کر رہے ہیں۔

اس دور میں سب سے بڑا جہاد یہی ہے کہ اسلامی تشخص کو باقی رکھا جائے علمائے کرام کی جماعت کی خاص ذمہ داری ہے کہ وہ اس تشخص کی نمائندگی کریں فتنوں کا دور یہی ہے کہ چہار جانب سے ملت اسلامیہ فتنوں سے گھری ہے اور اسی لیے اس مبارک جماعت کو جو سنتوں کا احیا کرتی ہے، یہ مبارک بشارت سید عالم جان جہاں فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی۔

من تمسك بسنتي عند فساد امتي فله أجر مائة شهيد. (مشكوة شريف باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

جس نے میری سنت کو تھامے رکھا، میری امت کے فساد کے وقت تو اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

اکثر مسلمان جو اس سلسلے میں کوتاہی کرتے ہیں، ان میں اکثر حالات کا صحیح تجزیہ کرنا نہیں جانتے اور دین سے غافل ہیں۔ مگر بعض لوگ اس کے جواز کی وکالت کر رہے ہیں۔ جیسا کہ آپ اخباروں میں پڑھتے ہوں گے۔

(۱) مراقش میں پردہ کے خلاف کتاب لکھی گئی۔

(۲) پاکستان میں قدامت پرستی کے خلاف فلم بنی۔

(۳) مصر میں کلین شیو رہنے پر مقالہ لکھا گیا۔ وغیرہ

تو یہ سب اسلام کے خلاف بغاوت ہے، جب آپ نے سنتوں کو حقیر جانا۔ حرام کو حلال جانا تو اقرار توحید اور کلمہ گوئی کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اس کے سد باب کے لیے کتاب اللہ نے فرمایا۔

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ."

(پ:۲، رکوع:۹، البقرة:۲۰۸)

اے ایمان والو اسلام میں پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ (کنز الایمان)

جن چیزوں کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام و تابعین و تبع تابعین یا اہلِ حق علمائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اسلامی شعار قرار دیا ہے، بعد میں ان سے پھرنے کی اجازت نہیں ہوسکتی۔ اگر پورے نظام اسلام اور تشخص اسلامی کو چھوڑ کر بھی کوئی خود کو مسلمان کہتا تو ہم کو حق ہے کہ پوچھیں۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

تصحیح شمارہ جنوری 2008ء

صفحہ ۵۳ رسطر نمبر گیارہ میں: "حضرت سید شعیب العلیم بقائی سجادہ نشین خانقاہ بقائیہ" کے بجائے "سجادہ نشین خانقاہ مشہودیہ صفی پور اناؤ" اور ص: ۵۴ رنیچے سے تیسری سطر یوں بنالیں: "حضرت اعزاز محمد فاروقی ملقب بہ المعروف شمو میاں صاحب سجادہ نشین تاج دار صفی پور شریف حضرت مخدوم شاہ صفی شاہ ولایت صفی پوری رحمۃ اللہ علیہ ضلع اناؤ۔"

چور مچائے شور

رہبر مصباحی

جب کسی کو اپنی چوری پکڑے جانے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے تو اس کے سامنے بچ نکلنے کے دو ہی راستے ہوتے ہیں یا تو وہ کسی طرح جھوٹ بول کر اور چوکی دار کو دھوکہ دے کر یا اس کی جیب گرم کر کے اپنی جان بچائے یا پھر اپنی چوری کا ٹھیکرا اسی کے سر پھوڑ کر "چور مچائے شور" والے محاورے پر عمل کر کے اپنی چوری چھپانے کے ساتھ لوگوں کے درمیان اپنی ایمان داری کا زندہ ثبوت پیش کرے۔ اول الذکر راستے کو کمزور اور نا آشنا چور اختیار کرتے ہیں جب کہ آخر الذکر راستے کو اپنانے والوں کی دو قسم ہیں۔ پہلا وہ چور جو طاقت ور ہوتا ہے، دوسرا وہ جو اپنے ہی آشناؤں کے گھروں میں نقب زنی کرتے پکڑے جاتے ہیں۔

اس طرح سے ہم چوروں کو دو خانوں میں بانٹ سکتے ہیں۔ اول: نیشنل (National) دوم: انٹر نیشنل (International)۔

اگر عصر حاضر کے تناظر میں دیکھا جائے تو جہاں دنیا کی ہر شے بہ ظاہر ترقی پذیر نظر آتی ہے وہیں یہ شعبہ بھی کسی سے پیچھے نہیں نیشنل چور، انٹر نیشنل چور بننے کی بھر پور جد وجہد کر رہے ہیں اور ان کی تعداد میں روز بروز کچھوے کے انڈے کی طرح اضافہ بھی ہوتا جا رہا ہے۔ ہمارے محکمہ پولس کے کچھ خود غرض افراد اور میدان سیاست کے نابالغ کھلاڑی اس میدان میں حد بلوغ کو پار کرنے کی تابڑ توڑ کوشش کر رہے ہیں، ونجارا اینڈ کمپنی، ایل. کے. اڈوانی، ونے کٹیار، نریندر مودی، بال ٹھاکرے، راج ٹھاکرے، پروین توگڑیا، اشوک سنگھل، یوگی آدتیہ ناتھ یہ لوگ اب تک اس دنیا کے ہیرو مانے جاتے تھے۔ لیکن نوین کمار نے "اسلامک مدرسے بے نقاب" نامی کتاب لکھ کر بالغ چوروں کی لسٹ میں اپنا بھی نام درج کرانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ خدا معلوم نوین کمار اس کے ذریعہ اپنی کون سی چوری چھپانے کی سعی کر رہے ہیں جو جگہ جگہ دورہ کر کے اپنی کتاب کی تشہیر اور جھوٹی شہرت بٹورنے میں اپنا چین وسکون غارت کیے ہوئے ہیں۔

کون ہے نوین کمار؟: نوین کمار آر. ایس. ایس. کا دم چھلہ، زی. ٹی. وی. کا نام نہاد سینئر صحافی اور میڈیا اینڈ نیوز پیپر سوسائٹی (Media and news pepar socity) کا چیئرمین (Chiarman) ہے۔ اس نے فرقہ پرست تنظیموں کے اشارے پر ایک منظم سازش کے تحت مدارس اسلامیہ کو بدنام کرنے کے لیے "اسلامک مدرسے بے نقاب" نامی کتاب لکھی ہے، جس کی رسم اجرا ۱۴ر فروری ۲۰۰۸ء بروز سوموار نئی دہلی کے ہندی بھون میں آر. ایس. ایس. کے سربراہ کے سدرشن کے ہاتھوں عمل میں آئی۔

کتاب میں کیا ہے؟: کتاب کیا ہے؟ کذب و بہتان کا ایک پلندہ۔ اس کتاب میں نوین کمار نے کوئی ایسا دقیقہ نہیں چھوڑا ہے جس سے مدارس اسلامیہ کے شبیہ بگڑ سکتے ہوں۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ جس کتاب کا پیش لفظ فرقہ پرستوں کے جادوگر یوگی آدتیہ ناتھ گورکھپوری نے لکھا ہو اور جس کی طباعت کیشو کنج کے تعاون سے "ہری اوم" پریس سے ہوئی ہو اس میں حق وصداقت کا خون کس بے رحمی کے ساتھ کیا ہوگا۔ اس کتاب میں نوین کمار نے مدارس اسلامیہ اور اس کے طلبا واساتذہ کرام کے خلاف بہت ہی گھٹیا بکواس کی ہے اس نے مدارس اسلامیہ پر دہشت گردی کا الزام لگاتے ہوئے اس کی خدمات حب الوطنی کو مشکوک بنانے کی بھر پور کوشش کی ہے جو ان کی خاندانی روایت ہے۔ ہم حقیقت کی نقاب کشائی سے پہلے دہشت گردی کی تعریف وتوضیح کیے دیتے ہیں تا کہ سچائی سامنے آسکے۔

دہشت گردی کے معنی: "دہشت گردی" یہ فرانسیسی زبان کے لفظ (Terrorism) اور ہندی کے لفظ "آتنک واد" کا اردو ترجمہ ہے جس کے معنی ہیں، خوف زدہ کرنا، ہراساں کرنا۔

دہشت گردی کی تعریف: انگریزی زبان کی مشہور ومعروف اور مستند لغت "دی نیو شارٹر آکسفورڈ ڈکشنری" (The new shorter oxford english dictionrey) میں دہشت گردی کی

rahbarmisbahi@yahoo.co.in

تعریف کچھ اس طرح بیان ہے۔

Terrorism. Terrorism. Principles, and practace the systematic imployment of voilence and intimidation. to. caerce A. Government or. community. cop. in to acceding. to specific. Political. Demand'

ترجمہ: تشدد، دہشت گردی کا منظم طریقہ تاکہ کسی حکومت یا جماعت سے اپنے مخصوص سیاسی مطالبات منوائے جائیں۔

یہ تو رہا دہشت گردی کا مفہوم مگر دہشت گرد کس کو کہتے ہیں تو اس کی وضاحت بھی ہمیں اس لغت میں اس طرح ملتی ہے۔

Terroris A. person who. uses and favoros violent and intimidating menthaods of caercing a government or community 2-a person who tries to awaken or spread a feeling of fear or alarm.

(The new shorter oxforde english dictionary)

دہشت گرد کون؟: مذکورہ بالا وضاحت کی روشنی میں نوین کمار جی بتائیں کہ دہشت گرد کون ہے اور کون ہے جو اپنے مخصوص مطالبات کے لیے حکومت پر دباؤ ڈال رہا ہے؟ کون ہے جو لوگوں کو خوف زدہ وہراساں کر رہا ہے؟ علاقائیت کا زہر گھول کر ملک کی پر امن فضا کو مکدر کرنے کی سازش کون رچ رہا ہے؟ شیوسینا اور بجرنگ دل کی ناجائز اولادیں یا پھر مدارس اسلامیہ کے نونہالان!

نوین کمار جی! آپ نے ہندوستان کے ۷۰/۸۰ فیصدی مدارس میں دہشت گردی کی تعلیم دیے جانے کا دعویٰ تو کر دیا ہے مگر نشاندہی ایک بھی نہیں کر پائے اور کرتے بھی کیسے ہوا میں تیر چلانے والے خاندانی بہادر جو ٹھہرے۔

مدارس اسلامیہ کا مقصد: نوین کمار کا کہنا ہے کہ مدارس اسلامیہ کا مقصد دہشت گردوں کی فوج اکٹھی کرنا ہے اور وہ ملک میں دورہ کر کے لوگوں میں اس کی تشہیر کر رہے ہیں۔ نوین کمار جی اگر مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم پر ایک طائرانہ ہی نظر ڈال لیتے تو شاید وہ اتنی گھٹیا ہفوات نہ بکتے کیوں کہ مدارس کے نصاب میں کوئی ایسی کتاب یا مضمون شامل نہیں ہے جس سے دہشت گردی کو فروغ دینے کی بو آ رہی ہو جب کہ اس کے برعکس آر. ایس. ایس. اور بجرنگ دل کے ماتحت چلنے والے ملک کے کئی اسکولوں میں خصوصاً صوبۂ گجرات اور مہاراشٹر میں ایسی کتابیں اور مضامین شامل نصاب ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہریلے مواد پر مشتمل ہیں۔ شاید اسی چوری کو چھپانے کے لیے نوین کمار اور اس کے ہم نواؤں نے مدارس اسلامیہ پر الزام تراشی کی جھڑی لگائے ہوئے ہیں۔ واضح رہے کہ مدارس اسلامیہ کا مقصد نئی نسلوں کے کچے دماغ میں ملکی ومذہبی ونسلی نفرت پر مبنی زہر بھر کر سماج کے پر سکون ماحول کو پراگندہ کرنا نہیں بلکہ سماج سے برائیوں کا جنازہ نکالنے کے لیے مثبت فکر کے حامل صالح افراد تیار کرنا ہے، مدارس اسلامیہ میں ملت کے نوخیز نونہالوں کو انسان دوستی، اعلیٰ اخلاقی اقدار، باہمی رواداری، الفت ومحبت اور حب الوطنی کا خوگر بنایا جاتا ہے تاکہ وہ امن وامان کے پیغامبر بن کر سماج کی الجھی ہوئی اخلاقی وسماجی گتھیوں کو سلجھانے میں نمایاں رول ادا کریں۔

مدارس اسلامیہ کے ہی خلاف کیوں؟ ملک وبیرون ملک جدھر دیکھئے مسلمانوں کے ہی تعلیمی ادارے کو لے کر کچھ دشمن عناصر طوفان بدتمیزی برپا کیے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہاں ایک سوال ذہن کے نہاں خانوں میں کچوکے لگاتا ہے۔ آخر مدارس اسلامیہ ہی تنقید کی زد پر کیوں؟ عیسائی ویہودی مشنریوں کے ماتحت چلنے والی پاٹھ شالائیں اس سے بے نیاز کیوں کر ہو گئیں۔ اس سوال کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اسلام مخالف افراد جانتے ہیں کہ کسی بھی قوم کی ترقی کا راز اس کے تعلیم یافتہ افراد میں مضمر ہوتا ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ مسلمان پھر سے اپنی تعلیم کا قبلہ درست کر کے اپنی عظمت رفتہ کی بازیافت کر سکیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر مستقبل میں مسلمانوں میں تعلیمی و ترقی نو کے انقلابات رونما ہو سکتے ہیں تو ان میں مدارس اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ ہوگا۔ پھر وہ مسلمانوں کی تعلیمی وتہذیبی زندگی کا گلا گھونٹ کر ان کے دلوں سے روح عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالنے کا ناپاک ارادہ رکھتے ہیں اور یہ سب اسی وقت ہو سکتا ہے جب دنیا سے مدارس کے وجود کو تباہ وبرباد کر دیا جائے۔

اعتراف حقیقت کا جھوٹا بہانہ: ''اسلامک مدرسے بے نقاب'' کے مقدمے میں نوین کمار نے اسلام کی عظمت کا جھوٹا اعتراف کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے اور یہ جھوٹا تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ان کا یہ تخریبی کارنامہ تعصب وعناد پر مبنی نہیں ہے لیکن کہا جاتا

ہے کہ عشق اور مشک لاکھ چھپانے سے بھی نہیں چھپتے۔ اسی طرح نوین کمار نے آئندہ سطور میں جس طرح علمائے ربانیین اور مدارس اسلامیہ پر بے جا تنقید کی بارشیں کی ہیں اس سے حقیقت بہ خوبی عیاں ہو جاتی ہے۔ رقم طراز ہے: "سبھی دھرموں کے لوگ اپنے اپنے دھرم کی تعلیم لیتے ہیں اور اس کو بے حد ضروری مانتے ہیں لیکن کہیں بھی مذہبی تعلیم کو اس طرح فروغ نہیں دیا گیا جیسا کہ مسلمانوں میں ہے۔ آج لوگوں کی مخالفت کے باوجود جدید تعلیم چل رہی ہے۔ کیا علمایہ نہیں سمجھ سکے کہ اسلام جدیدیت کی مخالفت نہیں کرتا۔ کیا اسلام کا ظہور ہی جدیدیت اور روشن خیالی کی علامت نہیں ہے؟ کیا جب عرب کے لوگ قبیلوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے، بات بات پر قتل ہوتے تھے، لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا تب اسلام نے ہی عرب کے لوگوں کو انسانیت بھائی چارہ اور امن کا سبق نہیں پڑھایا تھا"۔ (اسلامک مدرسے بے نقاب، ص:۲۲)

نوین کمار جی سے کوئی پوچھے کہ آخر اسلام جو امن وشانتی کا پاٹھ پڑھاتا ہے تو پھر اس کی تعلیمات کو عام کرنے والے لوگ دہشت گرد اور ادارے دہشت گردی کے مرکز کیسے ہو گئے؟ اور ہاں مسلمان خوب جانتے ہیں کہ انھیں کون سی تعلیم حاصل کرنی ہے اور کون سی نہیں۔ آپ کی نصیحت کی قطعی حاجت نہیں کیوں کہ

ناصحا، مت کر نصیحت جی مرا گھبرائے ہے
ان کو دشمن جانتا ہوں جو مجھے سمجھائے ہے

شرم تم کو مگر نہیں آتی: نوین کمار نے علمائے کرام کی کردار کشی کے لیے جو متعفن طریقہ اپنایا ہے اس کے مدنظر ان کے خبط الحواس ہونے میں کسی کو شبہہ نہیں ہونا چاہیے اس نے اس کتاب کے ایک صفحہ پر کمپیوٹر کے ذریعہ بنائی گئی مصنوعی تصویر کے ذریعہ علمائے ربانیین کی عظمت پر سوالیہ نشان لگانے کی جسارت کی ہے۔ جس میں دکھایا گیا ہے کہ ایک استاذ جنسی مدہوشی کے عالم میں ایک معصوم طالب علم کے ہونٹ چوس رہا ہے۔ قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ نوین کمار اپنے اس گھٹیا عمل کے ذریعہ لوگوں میں کیا میسیج (Masseg) پہنچانا چاہتا ہے۔ یہی نہیں، اس نے مدارس اسلامیہ کے اساتذہ کرام پر نہایت اوچھے حملے کرتے ہوئے قانونی کارروائی کی وکالت کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ "ایسے واقعات اسلامی مدرسوں کے منہ پر ایسے گہرے دھبے کی طرح ہیں جسے دھو پانا مشکل ہے"۔

کاش نوین کمار مدارس اسلامیہ کے اساتذہ کرام پر اس طرح کا گھناؤنا الزام لگانے سے قبل اپنے اردگرد کے مندروں کا جائزہ لے لیے ہوتے تو ان کا سارا بھرم کھل کر رہ جاتا اور وہ مدارس کو بے نقاب کرنے کے بجائے ان مندروں کو بے نقاب کرتے جہاں پوجا اور آشرواد کے نام پر جنسی آوارگی کو فروغ دیا جاتا ہے۔ ابھی حال ہی میں زی نیوز نے دو ایسے پجاریوں کو بے نقاب کیا تھا جو پرشاد کے نام پر ایک لمبے عرصے سے ایک کم سن لڑکے کا جنسی استحصال کر رہے تھے جس کو پوری دنیا نے اپنے ماتھے کی نگاہوں سے دیکھا۔ نوین کمار جی ذرا ان مندروں کی بھی خبر لیجیے جو لنگ کی پوجا اور درشن و آشرواد کی آڑ میں جسم فروشی کے مرکز بنتے جا رہے ہیں۔ آج بھی نوجوان لڑکیاں "شیو" کے لنگ پر پھول چڑھانے اور اس کو دودھ سے دھونے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ مگر جب وہ شہوانی خواہشات سے مغلوب ہو کر تصور کی آنکھوں سے پس منظر کی تصویر کشی کرنے پر آمادہ ہوتی ہیں تو پھر مندر کے خبط الحواس سانڈوں کی بہار آ جاتی ہے۔ اور ہاں! مدھیہ پردیش کے کھجوراہو مندر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جہاں آپ کے سارے دیوی و دیوتا بالکل ننگے کھڑے اپنی انتہائی بے شرمی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ٹی. آئی. ایس. نے اپنے ہفتہ روزہ "دی سنڈے انڈین" میں اس مندر کے کچھ دیوتاؤں کی تصاویر شائع کی تھیں۔ جس میں دکھایا گیا تھا کہ وہاں کے سارے دیوی و دیوتا بالکل عریاں بدن جنسی عمل میں مصروف ہیں، یہی نہیں ایک ہی دیوی کے ساتھ چار چار دیوتاؤں کو بیک وقت جنسی پیاس بجھاتے دکھایا گیا ہے۔ (دی سنڈے انڈین، شمارہ، جولائی ۲۰۰۷ء)

واضح ہو کہ وہاں ہر سال ۲۵ر فروری تا ۲ر مارچ تک مولیہ اوتسو کے نام پر ایک میلہ لگتا ہے جہاں ملک کے کونے کونے سے دوشیزائیں درشن کرنے کو حاضر ہوتی ہیں اور وہاں کنوارے لڑکے و لڑکیاں دیوتاؤں کے عمل کی نقل کرتے ہیں اس طرح وہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور آزماتے ہیں۔

لیکن اس زمینی سچائی کے باوجود نہ معلوم نوین کمار اور ان کے حلیف اپنے پیشواؤں کے گھٹیا کارنامے کو علمائے کرام کے خانے میں ڈال کر اپنی چوری چھپانے کی ناکام سعی کر رہے ہیں۔ چلتے چلتے آخر میں نوین کمار اور ان کے ہم نواؤں کو میرا مشورہ ہے کہ پہلے وہ اپنے مندروں کے وحشی درندوں کو بے نقاب کریں تاکہ سماج میں آئے جنسی سیلاب پر کچھ قابو پایا جا سکے۔

آئینۂ عالم

اہلِ مغرب کا ایک اور فتنہ

فــــتــــنــــہ

پیرزادہ سید احمد القادری

قارئینِ کرام، چند برس پہلے ایک فتنہ بہت زور وشور سے اٹھا تھا، جس نے پورے عالمِ اسلام کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ بھی پیدا نہیں فرمایا مگر مغرب کے شدت پسند عناصر کی کوششوں سے یورپ کے ملک ڈنمارک کے ایک اخبار نے سرکار کا کارٹون بنانے کی ناپاک کوشش کی، جس کے سبب عالمِ اسلام میں شدید احتجاجی مظاہرے ہوئے اور صرف عالمِ اسلام ہی نے نہیں بلکہ عالمِ کفر و باطل نے بھی اس پلید حرکت کی مخالفت کی۔ ہندو شدت پسند تنظیم شوسینا کے سربراہ بال ٹھاکرے کے بھتیجے اودھے ٹھاکرے نے بھی ممبئی میں جلسۂ عام کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فوٹو نہیں ہے، تب آخر اخبار والے نے حضرت کا کارٹون کیوں بنایا۔

اب اسی سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب ایک ہندو شدت پسند تنظیم کا لیڈر کارٹونسٹ کی پلید حرکتوں کی مخالفت کرتا نظر آرہا ہے تو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کو کس قدر تکلیف ہوئی ہوگی۔ غور طلب بات تو یہ ہے کہ کچھ ہی دنوں بعد اخبار میں آیا کہ وہ کارٹونسٹ جس نے سرکار کا کارٹون بنایا تھا وہ آگ میں جل گیا۔

کارٹون والا فتنہ ابھی ختم بھی نہ ہوا تھا کہ دوسرا فتنہ شروع ہو گیا۔ ابھی حال ہی میں ۲۸/ مارچ ۲۰۰۸ء کو ہالینڈ کے مشہور فلم ساز گستاخِ رسول گیرٹ وائلڈرس نے ایک فلم بنائی جو کہ ۱۷ منٹ پر مشتمل ہے۔ اس انتہا پسند کا منصوبہ یہ تھا کہ عالمِ اسلام کو تباہ و برباد کیا جائے، مسلمانانِ عالم سڑکوں پر اتر آئیں گے۔ فلم ساز اس نئی فلم فتنہ کے ذریعہ اسلام مخالفوں اور شدت پسندوں کی ایک ٹولی بنانا چاہ رہا تھا۔ یورپ کے ذرائع ابلاغ سے پتہ چلتا ہے کہ گیرٹ وائلڈرس پولینڈ نژاد یہودی ہے، صیہونی مشنری سے جڑا ہوا ہے، اسرائیلی حکومت سے اس کے گہرے تعلقات ہیں۔ اس وقت یہ فتنہ ساز ہالینڈ پارلیمنٹ کا رکن ہے۔ جس کے طرزِ روش اور اندازِ گفتگو سے اکثر ممبرانِ پارلیمنٹ نالاں ہیں۔ وہ اپنی فلم ''فتنہ'' کو ایک امریکی کمپنی ''یونائیٹڈ امریکن کمیٹی'' کے ذریعہ منظرِ عام پر لایا ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس فلم کو امریکہ کی بھی منظوری حاصل ہے۔ فلم ساز یہودی ہے اس لیے مسلمانوں سے زیادہ تعصب رکھتا ہے۔ قرآن کریم کی آیتِ مبارکہ ہے ''تم اہلِ ایمان کا سب سے بڑا دشمن اہلِ یہود کو پاؤ گے۔''

۲۸/ مارچ ۲۰۰۸ء کو ایک ڈچ ویب سائٹ پر اس فلم فتنہ کی نمائش کی گئی۔ آپ کسی بھی ویب سائٹ پر Film Fitna لکھ کر Click کریں تو بلا تاخیر فلم فتنہ آپ کی نظروں کے سامنے ہوگی۔ یہ فلم ۱۷ منٹ کے دورانیہ پر مشتمل ہے۔ جس کی ابتدا قرآن کریم کی تصویر نمائی سے ہوتی ہے، پھر ڈنمارک کے گستاخانہ کارٹون کو دکھایا جاتا ہے۔ جس میں سرکارِ کائنات کی ذاتِ اقدس کو ایک جابر و ظالم سلطان کے طور دکھایا جاتا ہے، اس کے بعد ۹/ ۱۱ کے مناظر دکھائے جاتے ہیں، پھر لندن میں ہوئے بم دھماکے اور میڈرڈ کی ہلاکتیں دکھائی جاتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ قرآن مجید کی آیتوں کی تلاوت بھی ہوتی ہے، تاکہ لوگوں میں یہ تاثر دیا جاسکے کہ یہ ساری حرکتیں، کارروائیاں قرآن شریف کی رو سے کی گئی ہیں اور مسلمان قرآن کے حکم کے مطابق اس قسم کی حرکتیں کر رہے ہیں۔ اس فلم میں برطانیہ کے ایک مولانا کو دکھایا جاتا ہے جو ایک انگریز سے کہتا ہے کہ ''جتنے غیر مسلم ہیں سب کو ہلاک کردو'' ایک اور اسکالر کو یہ کہتے ہوئے دکھایا گیا ہے کہ ''ہر مسلمان دہشت گرد بنے گا۔'' پھر اس فلم میں کئی خونی مناظر دکھائے جاتے ہیں اور یہ عبارت لکھی ہوئی ہوتی ہے کہ ''قرآن میں ہے کہ جتنی عورتیں اور جتنے بچے ہیں، جتنے جانور ہیں سب کو قتل کردو۔''

فلم میں بدنام زمانہ مرتد سلمان رشدی کی واہیات شیطانی آیات پر مبنی دھمکیوں کو جگہ دی گئی ہے۔ مسلم علما و ائمہ کے یہودیوں کے خلاف پر تشدد بیانات کو دکھانے کے ساتھ ساتھ ان علما کے کردار پر سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ اس فلم میں ایک جگہ یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ ایک پردہ نشین نوعمر دوشیزہ سے یہودیوں کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ یہ بندر اور سور ہیں۔ یہ قول قرآن میں موجود ہے۔ اس فلم

کے ذریعہ پوری دنیا اور بالخصوص اہلِ یورپ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلام یورپ کے ذریعہ ایک مستقل خطرہ ہے۔

اہلِ یورپ کو ہالینڈ میں بڑھتی ہوئی مسلم آبادی سے ڈرایا گیا ہے۔ فلم کا خاتمہ انتہائی گستاخانہ منظر پر کیا جاتا ہے۔ ایک ہاتھ دکھائی دیتا ہے جس میں قرآن مجید کا ایک صفحہ دکھائی دیتا ہے، پھر فلم بین ایک آواز سنتا ہے، آواز ای قرآن کے ورق کو پھاڑنے کی سی ہوتی ہے۔ اسی درمیان پردے پر یہ تحریر دکھائی دیتی ہے کہ ''یہ صفحہ جو پھاڑا گیا'' غائبانہ آواز تھی'' کیوں کہ یہ میری ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ یہ ذمہ داری خود مسلمانوں کی ہے کہ وہ خود قرآن کی ان آیتوں کو پھاڑ دیں جن سے نفرت پھیلتی ہے۔'' فلم ساز نے اتنے ہی پر بس نہیں کیا بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ ''اسلام ہم پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور مغربی تہذیب کی اینٹ سے اینٹ بجادینا چاہتا ہے''۔ اس فلم کے خلاف یورپ، بالخصوص ہالینڈ میں مسلمانوں نے شدید ناراضی کا اظہار کیا اور اس فلم کے ریلیز ہوتے ہی رنج والم کا ماحول بن گیا۔ البتہ یہ امر قابلِ تعریف ہے کہ اس حالت میں بھی مسلمانوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ان کا ردِ عمل نہایت ہی پرسکون اور مدبرانہ رہا۔ جس کا نتیجہ یہ رہا کہ سیاسی حضرات، وکیلوں، سیاست دانوں اور عیسائی مبلغوں نے بھی مسلمانوں کی حمایت کی اور فلم ساز کو شدت پسند سے تعبیر کیا اور ایسی آواز کو صرف ہالینڈ ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے خطرناک قرار دیا۔ ہالینڈ کے وکیلوں نے ایسی آواز کو دبانے کے لیے قانونی چارہ جوئی شروع کردی۔ اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل نے بھی اس فلم ساز کی اس حرکت کی سخت لفظوں میں مذمت کی، مگر افسوس کہ ہمارے ہندوستان کی حکمراں جماعت کانگریس امریکہ اور یورپ کو خوش کرنے کے لیے خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ نہ وزیر اعظم ہی کی طرف سے کوئی بیان آیا اور نہ ہی کانگریس صدر سونیا گاندھی کی طرف سے۔ ہماری حکومت کو تسلیمہ نسرین جیسی آبرو باختہ عورت کی خوشنودی حاصل کرنے سے فرصت ہی نہیں۔ آج بھی ہماری حکومت کروڑوں مسلمانوں کے جذبات سے کھیلتے ہوئے تسلیمہ نسرین کو پناہ دینے کے لیے کوشاں ہے۔

بہر حال اس فلم فتنہ کا چونکا دینے والا ردِ عمل یہ ہوا کہ ہالینڈ کے دار الحکومت ایمسٹرڈم کے کتب خانوں پر ہالینڈ کے شہریوں کی ایک بھیڑ لگ گئی جو ہالینڈ کی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ، سی ڈیز اور کیسیٹ کے طلب گار تھے۔ فلم فتنہ کے ریلیز ہونے کے اگلے ہی دن ہالینڈ کے تجارتی اداروں سے قرآنی نسخے راتوں رات خرید لیے گئے اور کتب خانے خالی ہو گئے۔ ہالینڈ کے اخبار نے مسلمانوں کے مثبت ردِ عمل اختیار کرنے کی وجہ سے کئی ستائشی مضامین شائع کیے۔ ہالینڈ کے روزنامہ ''ٹیلی گراف'' نے اپنے کئی صفحات اس فلم پر ردِ عمل کے لیے پیش کیے، جس کے باعث ہالینڈ کی مسجدوں سے قرآن کریم کے تعلق سے سوال و جواب چھپنے لگے۔ اسلام کے بارے میں معلومات عام ہونے لگی۔ یہی نہیں بلکہ مسلم دانش وروں کو بلا کر اس اخبار نے انٹرویو کا سلسلہ بھی جاری کیا جس میں فلم فتنہ کی فتنہ گیری پر تنقید کی گئی اور اس فلم ساز کی حرکت کو شیطانی حرکت قرار دیا گیا۔

دل چسپ امر یہ ہے کہ فلم ریلیز ہونے کے ایک ہفتہ کے اندر اندر چار لوگ مشرف بہ اسلام ہوگئے، جب کہ اس فلم ساز بد بخت نے اہلِ یورپ کو اسلام سے بدظن کرنے کے لیے یہ حرکت کی تھی۔ ہالینڈ کے ڈچ قانون ساز ممبر پارلیمنٹ گیرٹ وائلڈرس کا یہ الزام ہے کہ قرآن کریم تشدد کو ہوا دیتا ہے، اسلام کی اشاعت تلوار کے زور پر ہوئی ہے۔ فلم میں یہ پیغام دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ یورپ میں مسلمانوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ سے جمہوری معاشرت کو خطرہ لاحق ہے۔ فلم میں یہ بھی مطالبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کی ان تمام آیتوں کو مسلمان پھاڑ ڈالیں جن سے نفرت ٹپکتی ہے۔ سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''وضو میں اتنا ہی پانی خرچ کرو جتنا کہ تمھیں ضرورت ہو اگر چہ بہتے ہوئے دریا کے کنارے کیوں نہ وضو کر رہے ہو۔ قارئین کرام غور کا مقام ہے کہ اللہ کا ایک مخلص بندہ نماز جیسی اہم عبادت کی ادائیگی کے لیے وضو بنانے جا رہا ہے تو اتنی سخت پابندی عائد کردی جا رہی ہے کہ وضو میں اتنا ہی پانی خرچ کرو جتنی تمھیں ضرورت ہے، اگر چہ بہتے ہوئے دریا کے کنارے کیوں نہ وضو کر رہے ہو۔ جس رسول کی نظر میں دریا کے پانی کے ایک ایک قطرے کی اتنی قیمت ہے تو اس رسول کی نظر میں انسانی خون کے قطرات کی کتنی قیمت ہوگی! وہ کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ اس کا ماننے والا انسانیت پر ناحق ظلم و زیادتی برپا کرے۔

اب راقم الحروف مضمون کے اخیر میں اہلِ اسلام سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اب بیدار ہو جائیں، جتنے مسلم ممالک ہیں، سب بیدار ہوں اور آپس میں متحد ہو جائیں، جلالۃ العلم حافظ ملت علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ ''اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت''۔ صرف قلم سے ایک مضمون لکھ دینے سے احتجاج نہیں ہوتا بلکہ پورا عالمِ اسلام اپنے مخالفوں کے خلاف صف بستہ ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

انوارِ حیات

مخدومِ اہلِ سنّت، حضرت مسعود ملّت

علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی

بہار یونی ورسٹی، مظفر پور، بھارت کے شعبہ اردو کے ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''ارباب نظر کا تقریباً متفقہ فیصلہ ہے کہ اچھی نثر کا لکھنا جتنا دشوار ہے، صاحبِ طرز ہونا اس کی بہ نسبت دشوار تر ہے، انہیں دشواریوں کی وجہ سے کسی زبان کے لکھنے والوں میں صاحبِ طرز ادیبوں کی تعداد کم ہوتی ہے۔ طرز یا اسلوب، تراوشِ قلم میں فن کار کی شخصیت کے رچاؤ کا نام ہے، یہ رچاؤ خود نہیں پیدا ہوتا، اس کے لیے منفرد مطمحِ نظر، فکرِ رسا اور پختگیٔ مشق ضروری ہے۔ یہ تین عناصر کسی انشاء پرداز کو یگانہ وممتاز بنانے کا سبب بن سکتے ہیں۔ مصنف (ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی) کے مطابق ڈاکٹر مسعود احمد کی شخصیت میں یہ تینوں عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں اس لیے ان کو بلا تکلف ایک صاحبِ طرز ادیب کہا جاسکتا ہے۔ مجھے ان کے خیال سے کامل اتفاق ہے۔ ڈاکٹر (مسعود احمد) صاحب اپنے معاصر ادیبوں اور انشا پردازوں میں اپنے طرزِ تحریر کی انفرادیت کی بدولت دور سے پہچان لیے جاتے ہیں اور یہ بڑی بات ہے۔''

مزید لکھتے ہیں: ''ان ڈاکٹر (مسعود احمد) کی شخصیت، شاخِ گل کی طرح لچک دار ہے، ان کا لہجہ مدھم، دل نشین اور شگفتہ ہے، بہتے ہوئے جھرنے کے مانند، سنکتی ہوئی بادِ نسیم کی طرح، جوت پھیلاتی ہوئی شمعِ فروزاں کی مانند اور چاندنی بکھیرتے ہوئے ماہتاب کی طرح۔''

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو (ایم اے، پی ایچ ڈی (علیگ)، ڈی فل (آکسفورڈ) وائس چانسلر مظہر الحق عربک پرشین یونی ورسٹی، پٹنہ، بہار (بھارت) لکھتے ہیں:

''پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی کا شمار ان فضلا میں ہوتا ہے جو اپنی قابلِ قدر تصانیف اور اپنے دینی وعلمی کارناموں کی وجہ سے دور دور تک شہرت رکھتے ہیں۔ ان کے قدردان اور ان کے معتقدین ہندوستان اور پاکستان ہی میں نہیں مشرق وسطیٰ کے ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں، جہاں مختلف موضوعات پر ان کی تصانیف شوق اور توجہ سے پڑھی جاتی ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد سو سے زائد ہے جن میں چالیس کتابوں کے ترجمے دوسری زبانوں میں شائع ہوکر مختلف ملکوں میں پھیل گئے ہیں۔ ان کے بزرگوں میں مولانا محمد مسعود شاہ (متوفی ۱۳۰۹ھ) نے مسجد فتح پوری دہلی میں ایک دینی مدرسہ اور دار الافتاء قائم کیا اور یہاں مسند رشد وہدایت بچھائی۔ وہ پینتیس سال تک درس وتدریس میں مصروف رہے اور مسند تبلیغ وارشاد پر فائز رہے۔ تیرہ (۱۳) کتابیں ان کی تصانیف سے محفوظ ہیں۔

ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے والد مفتی اعظم مولانا شاہ محمد مظہر اللہ (۱۳۰۳ھ، ۱۳۸۲ھ/۱۸۸۶ء، ۱۹۶۲ء) پاک وہند کے متبحر عالم، مقتدر مصنف اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے مشہور بزرگ تھے، جن کے دستِ حق پرست پر ہزاروں نے بیعت کی اور ان سے روحانی فیوض حاصل کیے۔ مسجد فتح پوری کی شاہی امامت وخطابت پر آپ تقریباً ستر (۷۰) سال فائز رہے۔ ان کی تصانیف میں پندرہ کتابیں شائع ہوچکی ہیں جن میں دو کتابیں علم ہیئت وتوقیت کے فن پر ہیں جن کے جاننے والے علماء اب ہندوپاک میں خال خال ہیں۔

ڈاکٹر (مسعود احمد) صاحب کی پیدائش دہلی میں ۱۹۳۰ء میں ہوئی، اٹھارہ سال تک ان کی تعلیم وتربیت ان کے والد ماجد کی نگرانی میں ہوئی۔ اس عرصے میں وہ اپنے جد امجد کے قائم کردہ مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری میں وہاں کے اساتذہ کے مروجہ علوم عربیہ وفارسیہ کی تحصیل کرتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد مظہر اللہ صاحب سے علمی فیوض حاصل کرتے رہے۔

آپ نے اورینٹل کالج دہلی، ادارۂ شرقیہ دہلی میں بھی تعلیم حاصل کی اور مشرقی پنجاب یونی ورسٹی شملہ سے بھی آپ کا تعلق رہا جہاں سے آپ نے فاضل فارسی کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۴۸ء میں آپ حیدرآباد سندھ منتقل ہوگئے اور اعلیٰ تعلیم کی تکمیل پاکستان میں کی۔ آپ نے ۱۹۵۱ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے میٹرک ۱۹۵۶ء

میں بی اے اور ۱۹۵۸ء میں سندھ یونی ورسٹی سے ایم اے کیا۔ ۱۹۷۱ء میں سندھ یونی ورسٹی حیدرآباد ہی سے آپ نے اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر پر بہت پُر معلومات مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔

آپ کے اساتذہ میں مختلف علما کرام اور یونی ورسٹی کے متعدد پروفیسروں کے نام ملتے ہیں جن میں ان کے والد محترم کے علاوہ سب سے اہم شخصیت پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی ہے جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے اس برّ اعظم میں استاذ الاساتذہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے اپنا مقالہ علمیہ آپ ہی کی نگرانی میں مرتب کیا۔ یہ مقالہ ابھی تک میں نے نہیں دیکھا لیکن اس کے متعلق پروفیسر صاحب کی رائے میری نظر سے گزری ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''میری پوری مدت ملازمت میں وہ میرے سب سے بہتر شاگرد رہے ہیں۔ میں ان پر بجا طور پر فخر کرسکتا ہوں۔ ان جیسے باوقار، باکردار اور باصلاحیت طلبا موجودہ حالات میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ وہ ان محققین میں سے ہیں جن پر فضلا اعتماد کرسکتے ہیں اور جن پر کسی یونی ورسٹی کو فخر ہوسکتا ہے۔''

ان ہی کے بارے میں آپ یادگار خطوط (کراچی ۱۹۹۸ء) میں تحریر فرماتے ہیں:

''میرے عزیز فاضل شاگرد اور مشہور مصنف ہیں۔ بہت کتابیں لکھی ہیں۔ مجھ سے بہت تعلق رکھتے ہیں۔ کئی کالجوں میں پرنسپل رہ چکے ہیں اور غالباً ڈپٹی (ایڈیشنل) سکریٹری محکمہ تعلیم کی حیثیت سے فارغ ہوئے ہیں۔''

پروفیسر وسیم بریلوی (ڈین فیکلٹی آف آرٹس، روہیل کھنڈ یونی ورسٹی، دہلی، بھارت) لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر مسعود احمد ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہی نہیں بلکہ دینی فکر و نظر کے معیار گر کہے جاسکتے ہیں، ان کے نثری کارنامے زیادہ تر مذہبی نکتہ سنجیوں سے وابستہ ہیں۔ مگر یہاں ان کی دور بیں فکر نے جو اعلیٰ تحقیقی پیمانے وضع کیے ہیں ان کے علمی تدبر کی غیر معمولی مثال پیش کرتے ہیں۔ ایسے دانش ور کی شخصیت اور اس کی نثری کاوشوں کا تفصیلی جائزہ علمی دنیا کے لیے بشارت بے بہا سے کم نہیں۔''

ڈائرکٹر الرضا اسلامک اکیڈمی، بریلی، (بھارت) جناب ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی لکھتے ہیں:

''سچائی، خیر اور حسن کو محققانہ بصیرت، پاکیزہ زبانی اور شگفتہ بیانی کے ساتھ اجاگر کر کے انسان کو زندگی اور بندگی کا شعور و سلیقہ عطا کرتے ہوئے اسے انسانیت کے بام رفیع پر پہنچانے کا راستہ ہموار کردینا ہی حقیقی علمی اور ادبی کارنامہ ہے۔ اردو زبان و ادب کی دنیا میں ایسے صاحبان علم و ادب و قلم کم ہی ملیں گے اور ان کم یاب اور کام یاب شخصیات میں ایک مشہور اور مستند و معتبر نام ہے عزت مآب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی کا جو بیک وقت عالم دین، پروفیسر، دانش ور، مفکر، محقق، ادیب و مصنف اور نقاد سبھی کچھ ہیں اور ان سب پر مستزاد وہ ہادی و مرشد بھی ہیں۔ انہوں نے اردو کو مذہبیات و مذہبی علوم و فنون، اخلاقیات، تاریخ، سیاست، عمرانیات، معاشیات اور شعر و ادب وغیرہ بھانت بھانت موضوعات کے جہانوں کی سیر کرائی ہے اور مختلف علوم و فنون کو تحقیق و تنقید کی نئی نئی جہتوں سے آشنا کیا ہے۔ محسن اعظم انسانیت، مصطفیٰ جان رحمت علیہ التحیۃ والثناء اور ان کے تابعین صحابہ، صلحا، اولیا و علما کی سیرت و سوانح اور تقدیسی کارناموں پر قلم اٹھا کر مسلمانوں کو ان سے قریب کردیا ہے۔ ادب کے صالح اور تقدیسی پہلو کو اجاگر کر کے ''ادب برائے ادب'' اور ''ادب برائے زندگی'' کے جلوے دکھائے ہیں۔ ان کے قلم حق و فیض رقم کا سب سے بڑا کمال ہے سرسید اور ان کے رفقا کے ایک ہم عصر عالم و فاضل، ادیب و شاعر اور مفکر و مصلح امام احمد رضا بریلوی کی شخصیت، علم و فضل، عظمت و عبقریت اور تقدیسی کارناموں کو اجاگر کرنا، کہ جنہیں مخالفین امام احمد رضا نے دبانے، چھپانے اور مٹانے کی ان تھک کوشش کی اور زبان و ادب کی تاریخ سے لے کر مذہبی، قومی، ملی و ملکی تواریخ میں جگہ نہ دے کر جو ظلم کیا گیا، اس ظلم و بے عدلی کا پردہ قلم مسعود نے چاک کر کے امام احمد رضا کی سچائی، اچھائی اور بڑائی کے حقیقی جلوے دکھا کر مشاہیر زمانہ کو حیرت زدہ کردیا اور سب کی آنکھیں کھول دیں۔''

ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی لکھتے ہیں: ''ڈاکٹر مسعود احمد کی پیدائش ایک مشہور اور معروف و دینی خاندان حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر

اللہ دہلوی شاہی امام مسجد فتح پوری (دہلی) کے گھر میں جمادی الآخر ۱۳۴۹ھ مطابق اکتوبر ۱۹۳۰ء میں مسجد فتح پوری سے متصل محلے میں ہوئی۔ آپ والد ماجد کی طرف سے نسباً صدیقی اور والدہ ماجدہ کی طرف سے سید۔ مسلکاً حنفی۔ مشرباً نقش بندی مجددی ہیں۔ آپ کے والد ماجد نے شریعت کے مطابق پیدائش کے فوراً بعد سیدھے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور آپ کا نام محمد مسعود احمد رکھا اسی نام پر آپ کا عقیقہ ہوا۔

ڈاکٹر مسعود احمد کے نانا نے یہ پیش گوئی فرمائی تھی کہ ''ان کی بیٹی کے ہاں ایک فرزند تولد ہوگا جو عالم اسلام میں نام پیدا کرے گا'' وہ بیٹی ڈاکٹر مسعود احمد کی والدہ ماجدہ تھیں۔''

''ڈاکٹر مسعود احمد سخن آموزی کی منزل طے کرنے لگے تو والد گرامی نے اپنی تربیت وکفالت میں آپ کی تعلیم کا آغاز کیا۔ قرآن مجید خود انہوں نے آپ کو پڑھایا اور ابتدائی تعلیم اردو، فارسی، عربی سے بھی آراستہ و پیراستہ کیا۔ ۱۳ شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۴ نومبر ۱۹۴۰ء میں آپ کے جد امجد حضرت مفتی محمد مسعود علیہ الرحمہ کے قائم فرمودہ مدرسہ عالیہ عربیہ مسجد جامع فتح پور دہلی میں آپ کا داخلہ کرایا، آپ نے اس درس گاہ میں ۱۹۴۵ء تک پانچ سال علوم و فنون عربیہ و فارسیہ کی تحصیل کی، ساتھ ہی ساتھ آپ کے والد بزرگوار مسلسل آپ کو علوم عربیہ وفارسیہ کی تعلیم دیتے رہے اور اس کی تاکید فرماتے رہے۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء تک اورینٹل کالج، دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ اس زمانے میں تقسیم ہند کے نتیجے میں ہونے والے خون ریز فسادات نے حالات کو زیر وزبر کر دیا جس کا اثر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے خاندان پر بھی ہوا۔ انہیں نازک حالات میں ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے ۱۹۴۸ء میں مشرقی پنجاب یونی ورسٹی شملہ سے فاضل فارسی کا امتحان پاس کیا۔ والدہ ماجدہ پہلے ہی ۲۰ جون ۱۹۴۷ء کو انتقال فرما چکی تھیں، بڑے بھائی مولانا محمد منظور احمد علیہ الرحمہ، حیدر آباد سندھ (پاکستان) میں سخت علیل تھے۔ ان کی تیمار داری کے لیے ۱۹۴۸ء میں پاکستان جانا پڑا، شفقت مادری سے تو محروم ہو گئے تھے، اب بظاہر شفقت پدری سے محروم ہو گئے۔ آپ کی پھوپھی حمیدہ بانو علیہا الرحمہ، بڑی ہم شیرہ فاطمہ بیگم مدظلہا اور برادر بزرگ علامہ مفتی محمد مظفر احمد علیہ الرحمہ کی شفقتوں نے اپنے سایہ میں لے لیا اور علامہ مفتی محمد محمود الوری علیہ الرحمہ کی صحبت میں روحانی تربیت ہوتی رہی۔ کراچی میں آباد ہونے سے پہلے آپ پندرہ سال (۱۹۴۹ء تا ۱۹۶۴ء) حیدر آباد سندھ میں مقیم رہے۔ ۱۹۴۹ء میں بھائی کا بھی انتقال ہو گیا مگر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے ہمت نہ ہاری اور استقامت سے تعلیم جاری رکھی البتہ حالات کے تقاضوں سے مجبور ہو کر عارضی طور پر تعلیم کا رخ بدل دیا۔

۱۹۵۱ء میں آپ نے پنجاب یونی ورسٹی لاہور سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور اسی سال لیوپولڈ اسد کی انگریزی کتاب کے بعض ابواب کا ''اسلام دوراہے پر'' کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا۔ ۱۹۵۶ء میں ڈاکٹر مسعود احمد نے بی اے کا امتحان پاس کیا، اساتذہ کرام آپ کی غیر معمولی ذہانت وقابلیت کے ہمیشہ معترف رہے، عربی و فارسی میں آپ نے جو صلاحیت واستعداد پیدا کی تھی وہ آپ کے آئندہ علمی کارناموں کی بنیاد اور مشعل راہ بنی۔ ۱۹۵۸ء میں سندھ یونی ورسٹی حیدر آباد سے ایم اے پاس کیا۔ علوم شرقیہ کے امتحانات نیز ایم اے اور ایم ایڈ کے امتحانات میں اول پوزیشن حاصل کر کے گولڈ میڈل اور سلور میڈل سے نوازے گئے۔

ڈاکٹر مسعود احمد نے اپنے علمی سفر کو جاری رکھتے ہوئے پی ایچ ڈی کے لئے اردو زبان میں اپنا گراں قدر مقالہ ''اردو میں قرآنی تراجم وتفاسیر'' کے عنوان سے پایۂ تکمیل کو پہنچایا، یہ مقالہ ٹائپ شدہ ۷۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۷۱ء میں سندھ یونی ورسٹی حیدر آباد سے اسی مقالے پر آپ کو پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی گئی۔''

''پروفیسر صاحب کی مقبولیت اور احترام جتنا کالج میں تھا اتنا ہی گھر میں اور رشتہ داروں میں بھی ہے۔ بعض لوگ عارضی وجاہت ظاہری رکھ رکھاؤ اور مصلحت پسندی کی وجہ سے ایک دوسرے کی تعریف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن گھر والوں کی نظر میں ان کا وہ احترام نہیں ہوتا جو باہر ہوتا ہے، اس کی وجہ بالکل فطری ہے، وہ یہ ہے کہ جو باہر کے لوگوں سے محبت کا برتاؤ کرتے ہیں، گھر میں بچوں اور رشتہ داروں سے ان کا برتاؤ محبت کا نہیں ہوتا بلکہ ان پر برتری کا رعب جھاڑتے ہیں اسی وجہ سے ان کو اپنوں میں مقبولیت واحترام حاصل نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر مسعود احمد اس صفت میں ممتاز ہیں ان کو اپنے احباب واقربا سے یکساں عظمت و احترام حاصل ہے، غصہ وکینہ سے بالکل مبرا، آپ خلوص وکرم کا پیکر ہیں، آپ کو کسی نے اپنے تلامذہ اور اپنے ماتحتوں پر غصہ ہوتے نہیں دیکھا اور نہ ہی اولاد، مریدین اور کسی قرابت دار یا کسی پر بھی۔ دراصل آپ کی

تربیت کا انداز اتنا پیارا ہے کہ محبت وشفقت سے ہی غصہ کی ضرورت بھی پوری ہوجاتی ہے۔ بہت سے لوگ رعب ڈال کر اور بے جا غصہ ہو کر اپنا اثر ڈالنا چاہتے ہیں ڈاکٹر صاحب اس طرز کو پسند نہیں فرماتے وہ بڑی کامیابیوں سے غلطیوں کی اصلاح فرما دیتے ہیں۔"

"ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے سادگی کو اپنا شعار بنایا، وہ سیدھے سادے کپڑے پہنتے ہیں اور زمین پر سوتے ہیں، زمین پر ہی علمی کام کرتے ہیں، گھر کا سودا سلف بھی کبھی کبھی خود لے آتے ہیں، مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں، خواہ غریب ہو یا امیر...... آنے والے خطوط کے خود جواب دیتے ہیں جو مسلسل آتے رہتے ہیں......"

"تحریر وتقریر میں کبھی سہو ہو جائے تو اصرار نہیں کرتے اصلاح کر لیتے ہیں، وہ ہمیشہ اخوت ومحبت اور اتحاد واتفاق کا درس دیتے ہیں۔"

"آپ دوسرے صفات حمیدہ کی طرح ظاہری حسن و جمال میں بھی ہزاروں میں ایک ہیں، قد میانہ، پیشانی چوڑی، آنکھیں بڑی بڑی، ناک لمبی کھڑی، چہرہ گول خوب رُو، رنگ گورا بھنویں گھنی، گردن اونچی، ریش گھنی، سفید شلوار اور کرتا کبھی شیروانی، سر پر سیاہ قراقلی ٹوپی، سیاہ چشمہ، جلال و جمال کی کھلی ہوئی تفسیر، پروقار شخصیت۔"

"ڈاکٹر مسعود احمد کی تصنیفی زندگی کا آغاز ۱۹۵۱ء سے ہوا جواب تک جاری وساری ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان موضوعات پر بھی تحقیقی کام کیا ہے جن پر کسی فاضل نے قلم نہیں اٹھایا تھا، یا لکھا تھا تو سرسری طور پر۔ آپ کی تصنیف وتالیف کا یہ علمی سرمایہ تاریخ علم وادب میں ایک گراں قدر سرمایہ ہے، اس کو ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی اولیات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ وہ موضوعات وعنوانات جن پر آپ نے مقالات یا مضامین تحریر کئے ہیں ان میں قرآن، حدیث وفقہ، سوانح، سیرت، اخلاقیات، ادب، شخصیات، تصوف، اقبالیات، فلسفہ، تاثرات، نفسیات، سیاست وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی تعداد ۵۰۰ سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ تصنیفات و تالیفات کی تعداد بھی ایک سو (۱۰۰) سے زیادہ ہے۔ مندرجہ بالا مضامین ومقالات کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے دو تحقیقی مقالے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (لاہور) اور دیگر دو اہم مقالوں کو ایران، اردن وغیرہ ممالک سے شائع ہونے والے انسائیکلو پیڈیا میں جگہ دی گئی ہے۔

اس کے علاوہ مختلف کتابوں پر آپ کے تبصرے، پیش لفظ، مقدمے، تقاریظ، تاثرات اور پیغامات بھی شائع ہو چکے ہیں۔ یہ تمام تحریری سرمایہ اور تحقیقی خزانہ ملکی وغیر ملکی مقتدر مشہور ومعروف رسائل وماہ ناموں اور اخبارات وغیرہ میں شائع ہو چکا ہے۔"

"ڈاکٹر مسعود احمد کو ماہر رضویات کہا جاتا ہے اور بلاشبہ وہ اس لقب کے مستحق ہیں۔ انہوں نے امام احمد رضا کی حیات وشخصیت اور ان کے دینی تجدیدی، روحانی، علمی، سیاسی، سماجی، اخلاقی، معاشی واقتصادی، سائنسی وفلسفیانہ اور فکری نیز ادبی کارناموں کو بہت ہی دانش ورانہ انداز میں پیش کر کے عصر حاضر کے دانش وروں، دانش کدوں یہاں تک کہ امریکی اور یورپی دنیا کو جس طرح امام احمد رضا سے قریب کیا ہے اور ان کی عبقریت کو منوایا وہ ڈاکٹر صاحب کا قابل قدر کارنامہ ہے۔"

"ڈاکٹر مسعود احمد ڈاکٹر حسن رضا خاں کی کتاب "فقیہ اسلام" مطبوعہ ۱۹۸۵ء کراچی کے افتتاحیہ میں فرماتے ہیں:

"امام احمد رضا کے فکر کا ہر گوشہ تحقیق وتدقیق کا متقضی ہے اور الگ الگ مقالے کا محتاج ہے۔ راقم کو امام احمد رضا پر تحقیق کرتے ۱۴ سال گزر چکے ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ساحل سمندر تک رسائی نہیں ہوئی۔ شناوری اور غواصی تو بہت دور کی بات ہے امام احمد رضا کی شخصیت بزبان حال یہ کہتی ہوئی معلوم ہوتی ہے:

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر

ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا"

دوسری جگہ لکھتے ہیں: "امام احمد رضا کی شخصیت کا ہر پہلو ایک تحقیقی مقالے کا متقضی ہے۔ شخص واحد کے بس کی بات نہیں کہ وہ ایک کتاب میں تمام پہلو سمیٹ لے۔ ایسی ہمہ گیر شخصیت کم از کم چودھویں صدی ہجری میں عالم اسلام میں نظر نہیں آتی۔ فکر ونظر اور علم ودانش میں وہ اپنے معاصرین پر بھاری نظر آتے ہیں۔ یہ حقائق دس سال تحقیق کے بعد معلوم ہوئے ورنہ خود راقم بھی بے خبر تھا۔"

"اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی فقاہت اور تبحر علمی کا اعتراف اور دنیائے اسلام کو ان سے متعارف کراتے ہوئے ڈاکٹر مسعود احمد رقم طراز ہیں: "امام احمد رضا دور آخر کے ایک عظیم فقیہ تھے۔ ان کی تحقیقات کے سامنے ان کے معاصر مفتیوں کے فتوے پھیکے معلوم ہوتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ ان کی علمی تحقیقات دیکھنے اور دکھانے کے لائق ہیں۔ ان کا مجموعہ فتاوی فقہی مسائل پر ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا ہے اس خصوص میں وہ تنہا اپنے عصر پر بھاری معلوم ہوتے ہیں۔ پاک و ہند حتی کہ مشرقی اور مغربی ممالک کے لوگ بھی ان سے استفادہ کرتے تھے۔ ڈاکٹر اقبال ان کی فقاہت کے دل سے قائل تھے۔ ان کے

مخالفین بھی فقہ پران کی مہارت تسلیم کرتے تھے مثلاً مفتی محمد کفایت اللہ ،حکیم عبدالحئی رائے بریلوی، جناب محمد زکریا پشاوری دیوبندی وغیرہ علما امام احمد رضا کی فقاہت کے قائل تھے۔ علما عرب وعجم کا تو ذکر ہی کیا ایک نہیں سیکڑوں امام احمد رضا کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔فقہ پر جس قدر عبور ہوگا بدعات ومنکرات سے اسی قدر نفور ہوگا۔

احقر نے متعدد فتاوے مطالعہ کیے بعض فتوے تو اعلیٰ ترین تحقیقی مقالات کہے جاسکتے ہیں جن میں بیک وقت ڈیڑھ ڈیڑھ سوماً خذ سے رجوع کیا گیا ہے..... فتاوی رضویہ کے مطالعہ سے مولانا احمد رضا خان بریلوی کی حیرت انگیز قوت مطالعہ ، قوت حافظہ ، قوت استدلال و استخراج اور قوت بیان وغیرہ کا اندازہ ہوتا ہے جس کا اعتراف علمائے حرمین شریفین نے بھی کیا ہے..... امام احمد رضا کے ہاں ساری دنیا سے استفتا اس قدر آتے کہ کسی ایک مفتی کے پاس اتنی تعداد میں فتوے آتے نہ سنے ایک وقت میں پانچ سو استفتا جمع ہوجایا کرتے...... اللہ تعالی نے اسی برصغیر میں اس مسلک کے احیا اور حفاظت کے لیے امام احمد رضا جیسے محدث اور فقیہ کو پیدا فرمایا جن کے متعلق عرب وعجم کے علماو فضلا کا خیال ہے کہ آپ اپنے وقت کے ابوحنیفہ ثانی تھے۔''

نبیرۂ اعلیٰ حضرت الحاج محمد تسلیم رضا خاں سپاس نامہ میں لکھتے ہیں: ''عالم اسلام کو رضویات کے اسرار و رموز سے آشنا کرنے والے صاحب علم وقلم وتحقیق ماہر رضویات مسعود ملت قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی آستانہ عالیہ رضویہ پر آمد مسعود اور ہم عاشقانِ رضا کے درمیان جلوہ گری پر مسرت وشادمانی کا اظہار کرتے ہیں...... مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ بلاشبہ یہ حقیقت ہے۔

یہ درد عطا تب ہوتا ہے
جب خاص عنایت ہوتی ہے''

جامعہ منظر اسلام، بریلی شریف کے سپاس نامہ میں درج ہے:'' پس جب تک امام احمد رضا قدس سرہ کی یاد باقی رہے گی اس گراں مایہ تحقیق کے صدقے ڈاکٹر موصوف کی بھی یاد باقی رہے گی اور بلاشبہ جس طرح امام احمد رضا کی ذات لاجواب ہے اسی طرح ان کی ذات پر ریسرچ کرنے والے پروفیسر موصوف کی بھی لاجواب ہے کہ انہوں نے اپنا پورا وجود خدمت رضا کے لیے وقف کر دیا ہے۔ ہم غلامانِ رضا ڈاکٹر موصوف کی اس تحقیق بلیغ کے لیے تہ دل سے ممنون ومشکور ہیں۔''

ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی لکھتے ہیں: ''ڈاکٹر مسعود احمد کے افکار و نظریات پر ان کے والد ماجد مفتی مظہر اللہ صاحب، شیخ سرہندی، امام احمد رضا بریلوی، ڈاکٹر اقبال اور استاد ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کا اثر گہرا ہے اور ان ہی اثرات نے ان کے طرز تحریر کو جداگانہ رنگ عطا کیا ہے۔ علمی اور تحقیقی مضامین میں تشریح وتوضیح اور استدلال کا انداز امام احمد رضا سے ملتا ہے تو متصوفانہ مضامین میں طرز تحریر پر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ سے متاثر نظر آتا ہے اور اس میں مستی وکیف شیخ سرہندی کے تصوف کی ہوتی ہے اور بلاغت ومعنی آفرینی اقبال کے طرز کی اور تدبر ووقار مفتی محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کا ہوتا ہے، جو روح کی طرح ان کی نگارشات میں سمایا ہوا ہے لیکن ان کا ادبی انداز خود ان کا اپنا مخصوص انداز ہے۔''

''ڈاکٹر مسعود احمد کا اسلوب اور انداز بیان موضوع اور موقع محل کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے لیکن جو بات قدر مشترک رہتی ہے وہ لطف مطالعہ کی کیفیت اور تحریر کی دل کشی ...... لہذا وہ فقہ، تفسیر، حدیث اور قرآن وغیرہ سے متعلق موضوعات ومضامین پر قلم اٹھاتے ہیں تو ہر موضوع کا فطری اسلوب اپناتے ہیں لیکن جہاں خیالات کے اظہار کا موقع میسر آتا ہے وہاں تحریر کی دل کشی چمک اٹھتی ہے اور ادب وانشا کے جلوے دکھانے سے باز نہیں آتے۔''

''روزمرہ اور گردوپیش کی زندگی سے ڈاکٹر مسعود احمد نے فن انشائیہ کو آراستہ کیا ہے ان کے انشائیوں میں زندگی اور سماج کی تنقید ایک غالب رجحان کی حیثیت رکھتی ہے ان کے یہاں مزاح کی کمی ہے البتہ طنز کا بڑا لطیف انداز موجود ہے، ان کے انشائیے دھنک رنگ ہوتے ہیں اور خوبی یہ ہے کہ ابتدا سے انتہا تک قاری کی دل چسپی برقرار رہتی ہے۔ ان کے فن میں بڑی پختگی ہے، کتاب ''موج خیال'' ڈاکٹر مسعود احمد کی نثر اور ان کے خیال کا ایک نگارخانہ ہے، بھانت بھانت کے سیاسی ،سماجی اخلاقی مضامین وموضوعات کو جس طرح ڈاکٹر مسعود احمد نے پیش کیا ہے وہ ان کی مفکرانہ شان کا غماز ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر مسعود احمد کی نثر نگاری خصوصاً ان کی انشائیہ نگاری کا بہت ہی اچھا نمونہ ہے۔''

''ڈاکٹر مسعود احمد نے سیاست، سماج، مذہب، ادب اور نہ جانے کن کن موضوعات پر مضامین قلم بند کیے ہیں اور ہر مضمون میں وضاحت، صفائی، استدلال اور سلیقہ مندی کے ساتھ ساتھ زبان وبیان کی خوبیاں موجود ہیں یہاں پر مضمون نگاری سے مراد یہ ہے کہ بات میں بات پیدا کرنا یا کسی موضوع پر مضمون نگاری کے جلوے دکھانا ہے۔

حالاں کہ اس طرح کی مضمون نگاری میں پھیلاؤ اور عبارت آرائی ناگزیر ہے مگر ڈاکٹر صاحب ایسے موقع پر ایجاز و بلاغت کو مدنظر رکھتے ہیں وہ مضمون کو پھیلاتے ہیں مگر سلیقہ مندی، استدلال اور منطقی انداز کو برقرار رکھتے ہیں اور تحریر کی دل کشی و نورانیت کی ایسی لہریں اور کرنیں پھیلاتے اور بکھیرتے چلے جاتے ہیں کہ شبہات کی تیرگی کٹتی چلی جاتی ہے اور ذہن و دماغ میں خیال اپنی روشنی لے کر اترتا جاتا ہے۔''

''ڈاکٹر مسعود احمد کا شمار بھی ایسے باکمال مصنفین میں ہوتا ہے جن کی اسلوبی انفرادیت تمام تصانیف میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نثر اردو کے خارجی اجزاء پر عالمانہ اور فن کارانہ دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم و جلیل تہہ دار متنوع اور نکھری ہوئی شخصیت کے مالک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا نثری اسلوب اردو ادب میں منفرد اور یکتا نظر آتا ہے۔ انہوں نے ہر جگہ الفاظ کی نشست و برخاست اور حسن استعمال، فقروں اور جملوں کی ترکیب و ترتیب اور ان کے درمیان فن کارانہ ربط ہم آہنگی اور توازن، موضوع کی وضاحت کے لیے منطقی استدلال کا لحاظ رکھا ہے۔''

ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے جن شخصیات کے بارے میں اپنی نگارشات یادگار بنائی ہیں ان کا شمار کچھ یوں ہے:

''(۱) رسول کریم حضرت سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم (۲) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۴) امام ابو حنیفہ (۵) سید علی ہمدانی (۶) شاہ محمد غوث گوالیاری (۷) جمال الدین ہانسوی الخطیب (۸) شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (۹) خواجہ عبید اللہ (۱۰) خواجہ عبد اللہ (۱۱) حضرت خواجہ محمد زمان، لواری شریف (۱۲) شاہ عبد الطیف بھٹائی (۱۳) قاضی احمد ومائی (۱۴) سید امام علی شاہ (۱۵) سید صادق علی شاہ (۱۶) شاہ محمد مسعود دہلوی (۱۷) علامہ فضل حق خیر آبادی (۱۸) پیر مہر علی شاہ گولڑوی (۱۹) آقائے سرہندی (۲۰) میر سید علی غمگین (۲۱) امام احمد رضا محدث بریلوی (۲۲) شاہ محمد رکن الدین الوری (۲۳) مولانا عبد القادر بدایونی (۲۴) شاہ ابو الخیر دہلوی (۲۵) پیر جماعت علی شاہ (۲۶) مولانا عبد القدیر بدایونی (۲۷) مولانا محمد عبد العلیم صدیقی (۲۸) مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (۲۹) مفتی محمد برہان الحق جبل پوری (۳۰) محمد ظفر الدین رضوی (۳۱) مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی (۳۲) علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی (۳۳) علامہ غلام جیلانی میرٹھی (۳۴) علامہ محمد شفیع اوکاڑوی (۳۵) مفتی محمد خلیل خاں برکاتی (۳۶) مفتی تقدس علی خاں (۳۷) مفتی محمد محمود الوری (۳۸) ڈاکٹر محمد اقبال (۳۹) بابائے اردو مولوی عبد الحق (۴۰) ڈاکٹر غلام مصطفی خاں (۴۱) عبد المجید مجیدی (۴۲) عبد الواحد یکتا دہلوی (۴۳) عبد الرشید خاں لائق (۴۴) علامہ شمس بریلوی (۴۵) مولانا منور احمد (۴۶) مولانا منظور احمد وغیرہ وغیرہ۔''

''ڈاکٹر مسعود احمد نے ۱۹۵۶ء میں اپنے والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ صاحب نقش بندی مجددی سے شرف بیعت حاصل کیا۔ آپ کو سلسلہ نقش بندیہ میں مفتی محمد محمود الوری علیہ الرحمہ سے خلافت و اجازت حاصل ہے۔ سلسلہ قادریہ میں خواجہ سید زین العابدین شاہ گیلانی (نورائی شریف سندھ) سے اجازت حاصل ہے اور سلسلہ چشتیہ میں حکیم سید اکرام حسین سیکری سے عملیات کی اجازت ہے۔ سلسلہ نقش بندیہ مجددیہ کے معروف شیخ خواجہ محمد صادق (اگہار شریف، کوٹلی، آزاد کشمیر) سے دلائل الخیرات شریف کی اجازت ہے۔ اس کے علاوہ سید محمد علوی مالکی (مکہ معظمہ) نے ۱۹۹۲ء میں مدینہ منورہ میں خرقہ لباس عطا فرمایا جو ان کے خاندان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے چلا آرہا ہے۔

ڈاکٹر مسعود احمد کا نکاح ۲۳ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ مطابق ۲ اگست ۱۹۶۴ء کو کراچی (پاکستان) سیدہ نعیمہ بیگم بنت سید مظہر علی مرحوم سے مسجد طیبہ، کراچی میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ ہوا۔''

''ڈاکٹر مسعود احمد کے یہاں سب سے پہلے ۲۴ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ/ ۱۴ جولائی ۱۹۶۶ء کو لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام آپ نے کوکب جہاں رکھا اس کے بعد ۲ شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ/ ۴ نومبر ۱۹۶۸ء کو دوسری صاحب زادی ثروت جہاں تولد ہوئیں۔ ۱۳۹۱ھ/ ۱۱ دسمبر ۱۹۷۰ء میں اللہ تعالی نے اپنے حبیب کے صدقے میں اولاد نرینہ سے آپ کو سرفراز فرمایا جس کا نام آپ نے محمد مسرور احمد رکھا پھر آخری لڑکی سعدیہ بیگم ۳ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ/ ۵ فروری ۱۹۷۵ء کو پیدا ہوئی۔ اللہ تعالی کے فضل و کرم سے چاروں اولاد بہ حیات ہیں اور زیور تعلیم سے آراستہ ہو کر گوناگوں خوبیوں کے مالک بن چکے ہیں۔''

یہاں تک اس تحریر میں شامل تمام متن اس فقیر نے جناب ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی کے مقالۂ ڈاکٹریٹ ''پروفیسر محمد مسعود احمد (حیات، علمی اور ادبی خدمات) سے نقل کیا ہے۔

''معلم'' اور ''مسعود'' ہم عدد لفظ ہیں۔ ممدوح گرامی فی الواقع اسم بامسمی تھے۔ سعادتوں ہی سے انہیں شغف رہا۔ (باقی ص: ۷ پر)

انوار حیات

مسعودِ ملت کا تصور عشق مصطفیٰ ﷺ

غلام مصطفیٰ قادری رضوی

محبت رسول، سبحان اللہ! وہ اکسیر ہے، جس سے جاں بلب مریض شفایاب ہو جاتا ہے۔ اس کے اعجاز سے قعرِ ذلت میں پڑا ہوا انسان تاجِ سروری حاصل کر لیتا ہے۔ قرآن کریم نے واضح طور پر فرمادیا کہ اگر رب تعالیٰ کے محبوب اور دوست بننا چاہتے ہو تو اس کے حبیب پاک علیہ التحیۃ والثنا کی محبت و عشق میں سرشار ہو جاؤ۔ قرب و وصال اور رضائے الٰہی کے خواہش مند ہو تو اس کے محبوب کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہو جاؤ، خود رب جس سے محبت فرماتا ہے۔ اللہ اکبر، کیسا محبوب ہے وہ جس کی محبت کو خالقِ حقیقی نے اپنی رضا و قرب کا ذریعہ بنا دیا۔ ہاں ہاں صحابۂ کرام نے اس راز کو پالیا تھا۔ انھوں نے صحبتِ نبوی سے استفادہ کر کے جان لیا تھا کہ اسی آقا و سرور کی الفت و محبت میں سرشاری ہمیں رب کی بارگاہ تک پہنچادے گی۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ انھوں نے وہ پایا کہ ہم لاکھ کوششیں کریں مگر نہیں پاسکتے۔ سنیے! وہ خود کیا فرمارہے ہیں، جن سے محبت کرنے کا اس خالق نے ہمیں حکم دیا ہے:

"لایؤمن احد کم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین." (بخاری شریف ۱/۷)

تم میں کوئی مسلمان نہیں ہوتا جب تک میں اسے اس کی اولاد اور ماں باپ اور تمام آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔

ڈاکٹر اقبال نے حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا تھا۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

علامہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مظہری علیہ الرحمۃ والرضوان ایک ایسے ہی عاشقِ صادق تھے جن کی زندگی کا لحہ لحہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گزرا۔ وہ خود بھی عاشقِ رسول تھے، فدائے رسول تھے اور عشقِ رسول کی دولت قلوبِ مسلمین میں ڈالنے کی مسلسل کوششیں بھی کرتے رہے۔ وہ سفیرِ عشقِ رسول تھے، وہ جانتے تھے کہ جب حبیب کبریا علیہ اجمل التحیۃ واکمل الثنا جانِ ایمان اور روحِ دین ہے، اس لیے اس کے پرچار میں زبان اور قلم کا خوب استعمال کرتے رہے، بلکہ اس میں ان کے خامۂ زرنگار نے جو گل کھلائے ہیں، یقین جانیے اس خصوص میں وہ اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ مبدۂ فیاض نے انھیں علم و فن، فکر و بصیرت کے ساتھ عشق و محبت کی دولتِ لازوال سے بھی خصوصی حصہ عطا فرمایا تھا۔ انھوں نے ایک عظیم دولت کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا بلکہ اس کے ذریعہ قلوب و اذہان کو منور و تابناک کیا۔ ان کی کتابیں اٹھا کر دیکھیے، پتہ چلے گا کہ وہ ایک فرد ہی نہیں بلکہ عالمِ ربانی، عاشقِ صادق اور مفکرِ اسلام و مسلمین تھے۔ محبت رسول کے دیپ جلاتے رہے اور اس کارِ خیر میں تا دمِ زیست خوشی و مسرت کا اظہار کرتے رہے۔ ان کی نگارشات میں محبت و عشق کے اتنے اسباق ہیں کہ پڑھتے جائیے اور جھومتے جائیے۔ انھوں نے عشقِ رسول اور محبت رسول کا جو تصور دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ذرا کان لگا کر سنیے، وہ کیا فرما رہے ہیں:

"محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں عجیب مسیحائی ہے، دل دمکنے لگتے ہیں، چہرے چمکنے لگتے ہیں، جہاں بدلنے لگتے ہیں ہیں، محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سرور ہے، یہ سرور ہی زندگی ہے۔ تناؤ، کھنچاؤ سے نجات مل جانا بڑی دولت ہے۔ یہ سرور شکنجوں میں کسے ہوئے انسانوں کو آزاد کرتا ہے، یہ سرور پریشان خیالوں کا علاج ہے۔"

(جہانِ رضا، لاہور، جنوری ۲۰۰۲، ص: ۳۴)

ع: جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی صلی اللہ علیہ وسلم

جہاں جہاں عشقِ رسول کو ابھارنا ہے اور امت مسلمہ کو اس محبت کی اہمیت سے آشنا کرانا تھا، جابجا ان کی تحریروں میں نظر آتا ہے۔ ایک جگہ بڑے خوب صورت پیرائے میں رقم طراز ہیں:

"جس طرح کشش ثقل سے نظام عالم برقرار ہے، اسی طرح محبت کی کشش سے عالمِ انسانیت قائم و دائم ہے۔ مثالی معاشرے کے لیے ضروری ہے کہ قلب و نظر کا ایک اور صرف ایک مرکز ہو۔ وہی ایک جس کی

نظیر نہیں، وہی ایک جس کی مثال نہیں، ماضی میں، نہ حال میں اور نہ مستقبل میں۔ جو اس ایک سے وابستہ ہوگیا، وہ در در کی ٹھوکروں سے آزاد ہوگیا۔ یہ وہی تو ایک ہے کہ جب دنیا والے اس کو ٹھکرا رہے تھے تو اس کا مولا اس کو آفتابِ عالم تاب بنا رہا تھا۔ ہاں وہ افقِ عالم سے آفتابِ ہدایت بن کر ابھرا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے عالم پر چھا گیا اور آن کی آن میں گرتی ہوئی قوم کو اس بلندی پر لے گیا کہ سارے عالم نے اس کو ابھرتے، چڑھتے اور سرفراز ہوتے دیکھا۔

ہمارے دلوں میں وہی تھا مگر اب کیا ہوگیا؟ خلوت خانۂ دل میں سب ہی ہیں مگر وہ نہیں۔ تو آؤ خانۂ دل کو صاف کریں اور اس کو بسائیں جو بسانے کے قابل ہے۔ یہ وہی ہے جس کی خوشبو سے دو عالم کی فضائیں مہکتی تھیں۔ یہ وہی ہے جس نے ڈوبتی دنیا کو سہارا دیا۔ یہ وہی ہے جس نے اندھیروں میں اجالا کیا، یہ وہی ہے جس نے جاں بلب انسانیت کو زندگی بخشی۔"

(محبت کی نشانی، ص: ۱۲-۱۳ مطبوعہ کراچی)

کتنا دل آویز اندازِ بیان ہے اور کتنی پاکیزہ زبانِ قلم ہے جس میں حسن و جمال اور پاکی و درخشانی ہے۔ کوثر و تسنیم سے دھلے ہوئے اس طرح کے درسِ محبت سے ان کی درجنوں تصانیف مالا مال ہیں۔

ہم محبت کا دعویٰ خوب کرتے ہیں مگر دلیل ہمارے پاس کہاں۔ ہم محبتِ رسول کا دم بھرتے ہیں مگر وہ بات کہاں جو ہونی چاہیے۔ محبت کے لیے تو کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں۔ عاشق اپنے معشوق کو لمحہ بہ لمحہ یاد کرتا ہے۔ محبّ کو تو یادِ محبوب ہی میں قرار اور سکون ملتا ہے مگر ہمیں کیا ہو گیا کہ محبت کا دعویٰ کریں مگر محبوب کی یاد اور ان کی اطاعت سے دور اور غافل رہیں۔ میرے ممدوح نے کتنی حقیقت بھری بات کہہ دی:

ہر محبت کرنے والا اپنے محبوب کو یاد کرنے میں اور اس کا ذکر سننے میں سرور و سکون محسوس کرتا ہے، ذکر کرنے والوں سے محبت کرنے لگتا ہے۔ عشق و محبت کی فطرت ہے جو اس کے خلاف کرے وہ سب کچھ ہو سکتا ہے مگر عاشق نہیں ہو سکتا، دل یہی کہتا ہے، عقل یہی کہتی ہے۔

تاج دارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے لیے محبت شرطِ اول ہے۔ یہ اللہ فرما رہا ہے، یہ خالق و مالک فرما رہا ہے۔ کس کی مجال کہ سرتابی کرے، کس کی جرأت کہ سرکشی پر کمر باندھے۔" (عید کونین، ص:۶، مطبوعہ مالیگاؤں)

محبت کے بھی تقاضے ہوتے ہیں اور ان تقاضہاے محبت میں سے یہ بھی ہے کہ وہی اعمال و افعال بجالائے جائیں جو محبوب کو پسند ہوں اور ان تمام باتوں سے روگردانی کر لی جائے جو محبوب کو ناپسند ہوں۔ آج ہم اپنا محاسبہ کریں کہ کتنے ایسے کام کرتے ہیں جو ہمارے آقا کو پسند ہیں اور ان کی رضامندی و خوشنودی کا ذریعہ ہیں اور کتنے ان کاموں سے اجتناب کرتے ہیں جو محبوبِ خدا کو ناپسند ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہم نے اپنی روش ہی بدل ڈالی ہے، جس کی سزا ہم بھگت رہے ہیں۔ مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان قومِ مسلم کو اسی تقاضاے محبت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"جس سے محبت ہوتی ہے اسی کی بات مانی جاتی ہے، اسی کے طریقے کو اپنایا جاتا ہے اور نمونۂ حیات بنایا جاتا ہے۔ یہی سیدھا سادا اصول ہے۔ قرآن کریم نے بھی اسی اصولِ مروت اور آئینِ محبت کو پیش کیا ہے۔ اس نے اطاعتِ رسول کا حکم دے کر رازِ محبت واشگاف کر دیا ہے۔ لیکن ہمارا حال عجیب ہے۔ رسول کی ہر ادا سے گریزاں اور دشمنِ رسول کی ہر ادا پر دل و جان سے قرباں، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، کھاتے، پیتے، پہنتے اوڑھتے، رہتے سہتے، غرض کسی حال میں رسول کی اداؤں پر نظر نہیں، مگر مانتے ضرور ہیں قربان جائیے اس تسلیم و رضا کے۔

نہ صرف یہ کہ رسول کی ادائیں نہیں بھاتیں بلکہ اب تو بات یہاں تک پہنچی ہے کہ ان اداؤں کو اپناتے کچھ شرم سی آتی ہے اور دشمنِ رسول کی اداؤں پر مر مٹنے کو جی چاہتا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

یاد آیا، ایک دعوت میں شریک تھا، لوگ کھڑے ہو کر کھا رہے تھے۔ میں کرسی لے کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ ایک عزیز نے فرمایا، آپ بیٹھ کر کھا رہے ہیں اور سب کھڑے ہو کر، شرم آرہی ہے۔ سبحان اللہ! غیرت کی انتہا ہے۔ کھا میں رہا ہوں اور شرم ان کو آرہی ہے۔ احقر

نے عرض کیا "جب اس بے شرم کو شرم نہیں آتی جو سنتِ رسول کا عملاً مذاق اڑا رہا ہے تو مجھے کیوں شرم آئے، میں تو سنت پر عمل کر رہا ہوں۔" جب تک اطاعتِ رسول میں بے خودی و خود باختگی کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی، کام نہیں بن سکتا۔" (موجِ خیال، ص: ۲۶، مطبوعہ کراچی)

امتِ مسلمہ کو متحد کرنے کے لیے مسعودِ ملت نے جس پلیٹ فارم کا تصور دیا وہ محبت رسول ہی ہے، عشقِ مصطفیٰ ہی ہے۔ یہی وہ مرکزِ اتحاد ہے، جو ایک جال کی طرح باہم متحد رہنے میں ہمارا ممد و معاون ثابت ہوگا۔ اس لیے میرے ممدوح اس کی پر زور انداز میں تعلیم دیتے رہے۔ وہ جانتے تھے کہ عشق ہی سے قومیں زندہ رہتی ہیں اور اسی عشق نے ہر دور میں امت مسلمہ کو فتح و کامرانی سے سرفراز کیا ہے۔ صحابۂ کرام میدانِ کارزار میں بھی ہوتے تو عظمت و محبتِ رسول سے ان کے قلوب واذہان جگمگاتے رہتے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو موے مبارک کی برکت سے کامیابی میسر آتی تھی تو اس میں بھی عقیدت و نسبت مصطفوی ہی کا کمال تھا۔ مسعودِ ملت، ملت کی سرخروئی اور سرفرازی اسی عشق و محبت میں تصور کرتے تھے جو بالکل حق ہے۔ سنیے، وہ کیا فرما رہے ہیں:

"چھوٹا وہ ہے جو عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے محروم ہے، بڑا وہ ہے جس کا سینہ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے روشن ہے۔ ہرگز مایوس نہ ہوں۔ زندگی ہمارا مقدر ہے، ہم تو مرنے کے بعد بھی جئیں گے، ہم جینے کے لیے آئے ہیں، مرنے کے لیے نہیں۔ ہماری عظمت و شوکت کا راز ایمان و یقین اور اتباعِ سنت رسول علیہ التحیۃ والتسلیم میں ہے۔" (پیغامِ مسعود، ص: ۸، مطبوعہ مالیگاؤں)

جب وہ نامِ محمد کا ورد کرتے تو عجب منظر ہوتا۔ ان کی زبان سے محبتوں کے پھول جھڑتے تھے۔ وہ اسمِ محمد کی عظمتیں محبت بھرے لہجے میں بیان کرتے تھے۔ اس اسمِ پاک پر لکھنے بیٹھتے اور اس کی عظمتیں بیان کرنا شروع کرتے تو دلوں کے غنچے کھلا دیتے تھے۔ سنیے وہ کس والہانہ انداز میں رقم طراز ہیں:

"بے شک آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی ہیں "بہت ہی تعریف کیا گیا" آپ محب بھی ہیں محبوب بھی۔ آپ عاشق بھی ہیں معشوق بھی۔ جو عاشق ہوتا ہے وہ معشوق نہیں ہوتا، جو معشوق ہوتا ہے وہ عاشق نہیں ہوتا۔ دنیائے محبت کا یہ ایک حیرت انگیز سنگم ہے کہ جو چاہ رہا ہے وہ چاہا بھی جا رہا ہے، جو عاشق ہے وہ معشوق بھی ہے، سبحان اللہ، سبحان اللہ۔"

"آگے مزید فرماتے ہیں: "نامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات! وہ چشمِ بینا کہاں سے لائیں جو زمین و آسمان میں اس نامِ نامی کے جلوے دیکھے۔ نامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہاں نہیں۔" (معارف اسم محمد، ص: ۱۳-۱۴، مطبوعہ لاہور)

آج دنیا بھر میں دشمنانِ اسلام ہمارے ایمان و عقیدہ کی دولت لوٹنے کی کوششوں میں ہیں۔ نت نئے حربے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ آخر مسلمانوں کی قوت و عظمت کا راز کیا ہے۔ ہم انھیں مسلسل دبانا چاہتے ہیں اور یہ ابھرتے چلے جاتے ہیں۔ ہم انھیں تنزلی کی طرف دھکیل رہے ہیں اور ان کا کارواں ترقی کی شاہراہوں پر گام زن ہوتا جا رہا ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ دشمنوں نے ہر طرح کے تیر استعمال کیے مگر مسلمانوں کو پست نہ کر سکے۔ اب انھوں نے فیصلہ کیا کہ اپنے ترکش کا آخری تیر چلایا جائے اور پھر ہم دیکھ رہے ہیں کہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغ کو وہ گل کر دینے میں پوری طاقت صرف کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے ٹھیک کہا تھا کہ دشمنوں کا ارادہ اور نیت یہی تھی۔

یہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

کچھ سمجھے آپ۔ دولتِ عشق مصطفوی پر ان کی توجہ بڑھنے لگی اور پھر آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس دولت ہی کی طرف معاندین اسلام کی نظریں جمی ہیں کہ یہی ہماری کامیابیوں کا راز ہے، ہماری عظمتوں اور شوکتوں کا ذریعہ بھی یہی ہے۔ مسعودِ ملت اسی لیے اس دولت کی حفاظت کی تاکید و تعلیم فرماتے رہے اور مسلمانوں کے سینوں کو اسی دولت سے مالا مال کرنے کی تگ و دو کرتے رہے۔ ذرا ان کی یہ فکر انگیز تحریر پڑھیے۔

"اپنے کسی قول و عمل سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہ دیں، آپ کی تعظیم و توقیر مقصودِ حیات ہے، مطلوبِ پروردگار ہے۔ جس کا دل آپ کی محبت اور ادب و تعظیم سے خالی ہے (باقی ص: ۴۰ پر)

بزمِ دانش | فکر و نظر | مستقل کالم

مسلمانوں میں اتحاد کا فقدان -- اسباب و علاج

''**بزمِ دانش**'' میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علماے اسلام کو آواز دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: **مبارک حسین مصباحی**

جولائی ۲۰۰۸ء کا عنوان مسئلۂ فلسطین اور سربراہانِ عرب کا رویہ

اگست ۲۰۰۸ء کا عنوان طلباے مدارس کا کامیاب کیریر، کچھ رہ نما اصول

سہ روزہ بین المذاہب کانفرنس ایک اہم پیش رفت

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اتحاد و اتفاق باعث خیر و برکت اور اجتماعی عروج و ارتقا کا موثر ترین ذریعہ ہے، جب کہ افتراق و انتشار، تباہی و بربادی، غربت و افلاس کا پیش خیمہ ہے۔ تاریخ عالم کے مطالعے سے یہ بات پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں وہی قومیں اپنی عظمت و سطوت کے پرچم لہراتی رہیں جنھوں نے آپسی بغض و عناد اور اختلاف و انتشار سے دور رہ کر اپنی پوری توانائی ملکی، ملی، سماجی اور سیاسی اصلاح میں صرف کیا۔ اس کے برعکس وہ قومیں جو خانہ جنگی کا شکار ہو کر الگ الگ ٹولیوں میں بٹ گئیں انھیں زندگی کے ہر شعبے میں شکست و ریخت کا سامنا کرنا پڑا اور زندگی کے ہر شعبے میں انھیں ناکامی و نامرادی ہی ہاتھ آئی۔

عالمی منظرنامے میں مسلمانوں کی موجودہ صورتِ حال کسی بھی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں۔ مسلمان معاشیات، اقتصادیات، سیاسیات بلکہ زندگی کے تمام اہم شعبوں میں تشویش ناک حد تک پچھڑتے جا رہے ہیں۔ عالمی تجارتی منڈیوں میں ان کی نمائندگی نا کے برابر ہوتی جا رہی ہے۔ آپسی اختلاف و انتشار نے انھیں پوری طرح کھوکھلا کر ڈالا ہے۔ تمام تر معدنی ذخائر پر قبضہ ہونے کے باوجود زندگی کے تمام شعبوں میں دوسروں کے دست نگر بنے ہوئے ہیں۔ مغربی ممالک کی چاپلوسی کا جذبہ اس قدر غالب ہو چکا ہے کہ ہمارے سیاسی قائدین اسلامی ممالک کی تباہی و بربادی کا تماشا نہایت خاموشی کے ساتھ دیکھ کر مغربی ممالک کے ساتھ اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ سقوطِ بغداد اور افغانستان کی تباہی اس کی واضح مثالیں ہیں۔ آخر تمام اسلامی حکومتیں اپنے سیاسی و مذہبی حریفوں کے خلاف کیوں متحد نہیں ہو جاتیں؟ انما المومنون اخوۃ کے اسلامی درس کو کیوں فراموش کر دیا گیا؟؟ آخر یہ رشتۂ اخوت کب کام آئے گا؟؟؟

مخالفین اس وقت اپنی پوری توانائی اس مقصد کے لیے صرف کر رہے ہیں کہ مسلمانوں میں آپسی اتحاد و اتفاق کے ہر ممکن طریقے کو روکا جائے اور انھیں مسلکی و مشربی مسائل میں اس قدر الجھا دیا جائے کہ سیاسی، سماجی اور معاشی و اقتصادی استحکام کا موقع ہی نہ مل سکے۔ اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے وہ وقتاً فوقتاً نئے نئے شوشے چھوڑتے رہتے ہیں، ہمارے سیاسی قائدین مخالفین کی اس پالیسی کو ناکام بنانے کے لیے موثر لائحۂ عمل تیار کرنے کے بجائے دانستہ یا نادانستہ اس سے صرف نظر کر رہے ہیں۔ بلاشبہہ یہ غفلت مستقبل میں ہمارے لیے مزید مسائل پیدا کر سکتی ہے۔ ہاں ۴؍ جون ۲۰۰۸ء کو مکۃ المکرمہ میں منعقد ہونے والے سہ روزہ بین المذاہب مکالمہ کانفرنس کو اس ضمن میں ایک

اہم پیش رفت کہا جاسکتا ہے۔جس میں عالم اسلام کے پانچ سو سے زائد علما، فقہا، مفکرین ومبصرین اور تقریباً چودہ سو دوسرے سیاسی قائدین نے شرکت کی، جس کا مقصد اسلامی ممالک کے درمیان اتحاد واتفاق کی فضا قائم کرنا اور مسلمانوں کے مشترکہ مسائل کے حل کے لیے اجتماعی طور پر غور وفکر کرنا تھا۔خدا کرے اس کانفرنس کے مثبت نتائج برآمد ہوں اور عالم اسلام کی شیرازہ بندی کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو۔

مسلمانوں کو آپسی اختلاف وانتشار کی تشویش ناک صورت حال سے نمٹنے کے لیے آپسی مذاکرات اور افہام وتفہیم کے ساتھ ساتھ قرآنی اور اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے۔ اسلام نے ہر موڑ پر فرد پر جماعت کو ترجیح دی ہے۔انفرادیت کے بجائے اجتماعیت کو باعث فتح ونصرت قرار دیا ہے۔ فرمانِ رسالت ہے: يد الله على الجماعة (مشکوۃ) اللہ تعالیٰ کی حمایت جماعت کے ساتھ ہے۔اتبعوا السواد الأعظم۔ وار كعوا مع الراكعين اور ان جیسے دوسرے احکام سے ہمیں اجتماعیت کا واضح درس ملتا ہے۔

اسلامی سماج ومعاشرے میں اتحاد واتفاق کی فضا اسی وقت قائم ہوسکتی ہے جب ہمارا مطمحِ نظر مادیت کے بجائے روحانیت اور حصول دنیا کے بجائے دین کی ترویج واشاعت ہو۔آپسی بغض وعناد اور بے جا مسلکی ومشربی تعصبات سے بالاتر ہو کر ہم ایمانی رشتۂ اخوت کے بندھن میں بندھ جائیں اور ایک دوسرے کے تعلق سے اپنے دل میں دردمندانہ جذبہ پیدا کریں۔

لیکن آج حالات نہایت ناگفتہ بہ ہو چکے ہیں، خلوص وللہیت بہت حد تک رخصت ہو چکی ہے۔آج ذاتی مفادات کے حصول کے لیے جماعت کا بڑے سے بڑا نقصان بھی بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرلیا جاتا ہے۔بعض جاہ پرست افراد دنیا طلبی کی خاطر ہمیشہ مشربی اختلافات کو ہوا دیتے رہتے ہیں، انھیں جماعت کا اتحاد واتفاق ایک آنکھ نہیں بھاتا۔اختلاف وانتشار کی آگ بھڑکانے کے لیے اپنی ذہنی وفکری توانائیاں صرف کررہے ہیں۔ہمیں ایسے افراد کو نگاہ میں رکھ کر کیفرِ کردار تک پہنچانا ہوگا تاکہ ہماری جماعت مزید تباہی وبربادی سے محفوظ رہ سکے۔

اتحاد واتفاق کی قوت کا اندازہ چند برسوں پہلے رونما ہونے والے ڈنمارک کے حادثے سے لگایا جاسکتا ہے، جب وہاں کے ایک گستاخ کارٹونسٹ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہانت آمیز کارٹون بنا کر اخبارات میں شائع کیا تھا۔ پھر عالم اسلام سے پے در پے شدید احتجاجات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور متفقہ طور پر ڈنمارک مصنوعات کا بائیکاٹ کردیا گیا تھا۔ نتیجتاً ڈنمارک کی معیشت تباہ وبرباد ہونے لگی تھی۔ آخر کار ڈنمارک حکومت کو لاچار و مجبور ہو کر عالم اسلام سے معافی طلب کرنی پڑی تھی اور اعلانیہ طور پر اپنی غلطی کا اعتراف کرنا پڑا تھا۔ یقیناً یہ اعتراف مسلمانوں کے آپسی اتحاد ہی کا نتیجہ تھا۔آج بھی اگر قوم مسلم آپس میں اتحاد واتفاق کی فضا قائم کرکے ایک دوسرے کے دست وبازو بن جائیں تو اپنی عظمتِ رفتہ کی بازیابی میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔

از: محمد ساجد رضا مصباحی، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

اختلاف کو ہوا دینے والے شر پسندوں کی گوش مالی کرنی چاہیے

انگریزی کا ایک مشہور مقولہ ہے: Unity is Strength یعنی اتحاد ایک عظیم قوت ہے۔اس کی تعبیر حافظ ملت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی نے اس طرح کی: ”اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت“۔ یہ حقیقت ہے کہ جو قوم متحد ہے وہ زندہ ہے اور جو اختلاف کا شکار ہے وہ مردہ ہے یا قریب مرگ ہے۔

عالم اسلام پر اگر طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو مسلمان اتحاد سے کوسوں دور نظر آتے ہیں۔ اختلاف کی جتنی بھی قسمیں ہوسکتی ہیں ان میں سے اکثر مسلمانوں میں دیکھنے کو ملتی ہیں، جب کہ مخالفین اور معاندین متحد ہو کر ہمارے خلاف محاذ آرائی کررہے ہیں، اور مسلمان ہیں کہ اختلاف کے شکنجے میں جکڑتے جا رہے ہیں۔ اتحاد کے فقدان کے باعث ہم روز بہ روز کمزور ہوتے جا رہے ہیں اور معاندین، خانگی اختلافات کے باوجود قومی اتحاد قائم رکھ کر مضبوط وتوانا ہو رہے ہیں۔ حالاں کہ مسلمان جس مذہب مہذب کے پیروکار ہیں وہ

مذہب (اسلام) جس قدر اتحاد کا درس دیتا ہے اور اس پر تاکید کرتا ہے دیگر ادیان و مذاہب میں وہ بات نہیں دکھائی دیتی۔ اسلام کے ارکان و احکام میں بھی اتحاد کا درس ملتا ہے۔ شرعی احکام و دینی معمولات میں غور کریں تو آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ اسلام نے کس طرح اتحاد کا درس دیا ہے۔ آپ نماز ہی کو لے لیجیے۔ شریعت نے فرض نمازوں کو باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور جماعت میں امیر و غریب یا حاکم و رعایا کے مابین تفریق نہیں کی گئی ہے، بلکہ سب ساتھ میں ایک صف میں ہوں گے۔ ایسا نہیں کہ امرا و حکام کے لیے الگ صف ہو اور غربا و رعایا کے لیے الگ صف۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

نماز باجماعت کے اس طرز عمل سے احترام انسانیت کے ساتھ اتحاد کا بھی درس ملتا ہے، لیکن آج کا مسلمان اتحاد سے آخر دور کیوں ہے؟ ہمیں اس کے اسباب و عوامل پر غور کرنا ہے۔ میری نظر میں مسلمانوں میں اتحاد کے فقدان کی وجوہات چند چیزیں ہیں، مثلاً نظریاتی اختلاف، عصبیت و تنگ نظری، دین سے دوری، خوفِ خدا کا فقدان، آپسی رسہ کشی، احساسِ برتری وغیرہ۔

نظریاتی اختلاف: مسلمانوں میں نظریاتی اختلاف زوروں پر ہے اختلافِ نظریات کے بطن سے مسلمانوں میں جدا جدا جماعتیں بن رہی ہیں اور ہر جماعت اپنے اپنے نظریہ پر سختی سے عمل پیرا ہے اور خود کو برحق اور دیگر کو باطل گردانتی ہے۔ نظریوں کا اختلاف اپنی جگہ، لیکن اس کے سبب قومی اتحاد کو پارہ پارہ کرنا کہاں کی دانش مندی ہے؟

عصبیت و تنگ نظری: آج عصبیت و تنگ نظری نے مسلمانوں پر اپنا سکہ جمالیا ہے۔ مسلمان اس درس کو بھلا بیٹھے ہیں جو درس، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر دیا تھا کہ "تم سب آدم سے ہو اور آدم (علیہ السلام) مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، بلکہ اللہ کے نزدیک شرافت و عظمت والا وہی ہے جو سب سے بڑا متقی ہے۔" لیکن آج مسلمان عصبیت کے جال میں اس طرح جکڑے ہو[illegible]ہ اس سے نکلنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ عصبیت اتحاد کی راہ میں سنگ گراں ہے۔

دین سے دوری: اتحاد کے فقدان کی ایک اہم وجہ دین سے دوری بھی ہے، دینی احکام سے بے رغبتی عام ہوتی جا رہی ہے، ماڈرن سوسائٹی میں دین و مذہب کی باتوں کو فقط رسم و رواج کا درجہ دیا جاتا ہے، اس لیے اب مخصوص معاملات ہی میں دین کے احکام کی بجا آوری ہوتی ہے۔ دینی تعلیمات سے آشنائی جب تک نہ ہو، قومی اتحاد کی کوششیں بار آور نہیں ہو سکتیں۔ مسلمانوں مین اتحاد کی فضا قائم ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دینی تعلیمات عام ہوں۔ ناواقف لوگوں تک اسلام کا پیغامِ اتحاد پہنچایا جائے۔

آپسی رسہ کشی: قائدین کے باہمی اور آپسی تنازع کو اتنا بڑھاوا ملتا ہے کہ مسلمان باہم ہی دست و گریبان رہتے ہیں، یہ صورت حال بھی اتحاد کے لیے سدِ راہ ہے۔

احساس برتری: یہ بھی ایک المیہ ہے کہ آج کوئی چھوٹا اور حقیر شخص بھی خود کو قائد اعظم، رہبر قوم و ملت یا علامۂ وقت اور پتا نہیں کیا کیا سمجھتا ہے۔ ان کے اندر یہ جذبہ کارفرما ہے کہ ہم کسی سے کم نہیں۔ ہمارے یہاں ایسے بھی افراد ہیں جو شہرت و نام وری کے لیے اختلاف کو ہوا دیتے ہیں۔ شہرت کے نشے میں انھیں بدنامی کی پرواہی نہیں --- ع: بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔ ظاہر ہے یہ باتیں اتحاد کی راہ میں سنگ گراں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جب تک اس صورت حال کا تدارک نہ ہو مسلمانوں میں اتحاد کا فقدان ہی رہے گا۔ اہلِ علم اور ذمے دار حضرات اگر اس پر خاص توجہ دیں اور دین و مذہب کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے اس جانب اقدام کریں تو کچھ بات بن سکتی ہے۔ ہمیں ایسے نزاع کو قومی وحدت کی راہ میں حائل ہونے سے روکنا چاہیے اور اختلاف کو ہوا دینے والے شر پسندوں کی گوشمالی کرنی چاہیے۔ جذبات کی رو میں بہہ کر شر پسند عناصر کی چال بازی اور مکاری میں پھنسنے سے بچتے ہوئے قوم کو بھی اس سے بچانے کی کوشش ہونی چاہیے۔

از: محمد حسین مصباحی، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

ماہ نامہ اشرفیہ ۱۹۸۶ء

جلد: ۱۱/ جنوری تا دسمبر

مولانا محمد ساجد رضا مصباحی

فقہیات

تحقیقات

اسلامیات

نظریات

شخصیات

عزیزیات

مکتوبات

سرگرمیاں ...... روداد چمن

(خیر و خبر)

(ص ۳۱ کا بقیہ)

وہ ایمان سے محروم ہے۔ یہی قرآن کا فیصلہ ہے۔ اپنے ایمان کی حفاظت کریں، یہ ایک گوہر بے بہا ہے۔ تنہا نہ رہیں، سچوں کے ساتھ رہیں، سچے وہ ہیں جن کی صحبت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت والفت اور ادب وتعظیم پیدا ہو، جن کی صحبت میں آپ کے سینے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی ہونے لگیں اور آپ بے ادب وگستاخ بننے لگیں، ان سے اس طرح بچیں جس طرح انسان درندوں سے بچتا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوشیار رہیں۔ درندوں سے تو صرف جان کا خوف ہوتا ہے اور ایسے انسانوں سے ایمان کا خوف رہتا ہے۔ ایمان ہی سب سے قیمتی متاع ہے، یہ لٹ گئی تو سب کچھ لٹ گیا۔ مولا تعالیٰ ہمارے دلوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت کا نقش جمائے، آپ کے حضور باادب رکھے، پریشان خیالیوں اور لب کشائیوں سے محفوظ رکھے، آمین۔

بلا شبہہ بامراد ہوا جس نے اس در پر سر جھکایا، کامیاب ہوا جس نے ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، سرفراز ہوا جو آپ کے نقش قدم پر چلتا رہا۔'' (تعظیم وتوقیر، ص: ۱۵ مطبوعہ کراچی)

سلام اس پر جو محبت وعقیدت کے چراغ روشن کرتا تھا، سلام اس پر، جو دن رات خلق خدا کی خدمت کے لیے اپنے باوقار قلم کا استعمال کرتا رہا۔ سلام اس پر جس نے ملت کو شعور زندگی بخشا، سلام اس پر جس کی تحریروں کو پڑھ کر نہ جانے کتنے بد عقیدگی سے تائب ہوئے اور ایمان و ایقان کی چاندنی میں آگئے۔ سلام اس پر جس کا ہر جملہ نصیحت و وعظ ہوتا تھا، سلام اس پر جو محبتوں کا پاس دار تھا اور یادگار اسلاف تھا، خود بزرگوں کی تعظیم واحترام کے جذبات سے سرشار رہا اور اہلِ اسلام وایمان کو بھی یہی تعلیم دیتا رہا کہ:

''نیکوں کے ساتھ محبت رکھیں، کسی آزاد خیال یا بد عقیدہ سے تعلق نہ رکھیں اور کوئی ایسی کتاب یا تحریر نہ پڑھیں جس سے شکوک و شبہات پیدا ہوں۔''

اللہ کریم ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی علمی یادگاروں سے ہم غربائے اہلِ سنت کو مستفید فرمائے، آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

نقد و نظر

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں

نام کتاب : نور نور چہرے
مصنف : علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری
صفحات : ۴۰۰ قیمت : درج نہیں
ناشر : مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور
مبصر : محمد قطب الدین رضا مصباحی

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری جماعت اہلِ سنت کے ایک ممتاز عالمِ دین اور بے مثال محقق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بہت ساری خوبیوں سے نوازا تھا۔ اہل سنت و جماعت کے داخلی و خارجی چیلنجوں کو انھوں نے سمجھا اور ان کے مقابلے کے لیے اپنی حد تک بہت ساری جدوجہد بھی کی۔ اپنے سرعت نگار قلم سے اردو، فارسی اور عربی میں سیکڑوں صفحات پر مشتمل درجنوں کتابیں تحریر فرمائیں۔ اس وقت میرے پیشِ نظر علامہ موصوف کی کتاب ''نور نور چہرے'' ہے۔ یہ کتاب تبصرے کے لیے جب مجھے دی گئی تھی، اس وقت علامہ باحیات تھے۔ آج مجھے بے حد افسوس ہے کہ ان کی زندگی میں اس پر تبصرہ نہ کر سکا۔ خیر اب بھی ''خراجِ عقیدت'' کے بطور یہ چند سطور قبول ہو جائیں تو زہے عزّ و شرف۔

یہ کتاب 15 علمی و روحانی شخصیات کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ کتاب کے شروع میں علامہ کے ''کلمات تشکر'' پھر خواجہ رضی حیدر کا ''ابتدائیہ'' ہے۔ کلماتِ تشکر میں علامہ نے اپنی زندگی کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ موصوف کا ایک اقتباس ہے:

''آج پیچھے دیکھتا ہوں تو ندامت کے ساتھ یہ احساس دامن گیر ہو جاتا ہے کہ تصنیف و تالیف کا جتنا کام ہونا چاہیے تھا وہ نہ ہو سکا اور عصر حاضر کی ضرورت کے مطابق قرآن و حدیث، کلام، فقہ، تصوف، تاریخ اور سیرت طیبہ کی خدمت کا جو کام ہونا چاہیے تھا، نہ کر سکا۔ اس کی بڑی وجہ فرصت، وسائل اور راہ نمائی کی کمی تھی۔'' (نور نور چہرے، ص:۸)

یہ اقتباس پڑھ کر میں مجسمۂ حیرت بن گیا کہ جس شخص نے اپنی پوری زندگی دین متین کی ترویج و اشاعت کے لیے وقف کر دی اور اپنی تمام تر کوششیں جماعتی شیرازہ بندی کے لیے صرف کر دیں، ان کی عاجزی و انکساری کا یہ حال ہے جب کہ آج عام حالت تو یہ ہے کہ اگر کسی نے دو چار کارنامے انجام دے دیے تو ہر اسٹیج پر پہنچ کر وہ اس کا خطبہ پڑھتے نظر آتے ہیں۔ کلمات تشکر کے آخر میں انھوں نے لکھا ہے کہ چند مقالات دوسرے مقالہ نگاروں کے بھی من و عن شامل کر دیے گئے ہیں، پھر تین حضرات کا شمار بھی فرمایا ہے: (۱) مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، از پیر علی محمد راشدی (۲) مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری میرٹھی، از پروفیسر خالد صدیقی۔ (۳) قاضی محمد عبد الحکیم ایم اے، از مولانا محمد منشا تابش قصوری مگر جب ہم نے فہرست پر نظر ڈالی تو ان میں سے کسی بھی بزرگ پر کوئی تحریر نہ ملی۔

بزرگوں کے حالات و کوائف اور اسلاف کی صالح روایات کو جمع کر کے لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام ہونا چاہیے۔ نسلوں کی ذہنی و فکری تربیت میں اس کا بڑا اہم کردار ہو سکتا ہے۔ علامہ شرف قادری نے بزرگوں کی زندگی ہمارے سامنے رکھ کر ایک بڑی مشعل فراہم کر دی ہے۔ ان کے حالاتِ زندگی پڑھ کر ہمیں ان میں دینِ متین کی خدمات کی راہیں تلاش کرنی چاہیے۔ علامہ موصوف نے جا بہ جا اپنی اس کتاب میں بزرگوں کے حالات قلم بند نہ کرنے پر افسوس کا اظہار کیا ہے اور بڑے والہانہ انداز میں ان کو سمیٹنے کی رغبت دلائی ہے۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''بہت کم حضرات یہ سوچنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں کہ آخر اس ذمے داری کو کون نبھائے گا؟ کیا اغیار سے توقع رکھی جا سکتی ہے یا بعد میں آنے والی نسلیں اس فریضے سے عہدہ برآ ہو سکیں گی؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف اور صرف ہماری ذمے داری ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس ذمے داری کو محسوس کر کے میدان، عمل میں قدم رکھیں۔'' (ص:۹۵)

دوسری جگہ سراج الفقہا مولانا سراج احمد رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح میں رقم طراز ہیں:

''کتنے افسوس کی بات ہے کہ قوم نے ان کے علوم و معارف کی معتد بہ اشاعت نہ کی اور نہ ہی اہل علم میں ان کی فضیلت علمی نمایاں کیا گیا، جس کے وہ در حقیقت مستحق تھے۔ قوم کی کوتاہی اور ناعاقبت اندیشی کا یہ بین ثبوت ہے۔ نہ معلوم علوم کے کتنے خزانے اسی طرح زاویۂ گم نامی وقت بسر کر کے ہماری ظاہر بیں نظروں سے

ایسے اوجھل ہوئے کہ آج ان کے نقشِ حیات کا دھندلا سا تصور بھی ہمارے سامنے نہیں ہے۔'' (ص:۹۶)

ابتداءً مجھے بڑا تردد تھا کہ اس کتاب میں شخصیات کا انتخاب کس طور ہوا ہے۔ نہ تو صدی کا لحاظ ہے اور نہ مولد و مسکن یا علمی مراتب کا۔ اسی درمیان علامہ کے یہ جملے میری نظر سے گزرے: ''یہ حصہ علمی اور روحانی شخصیات کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ چوں کہ یہ مقالات کسی منصوبے کے تحت نہیں لکھے گئے۔ ان میں کچھ متقدمین سے متعلق ہیں اور کچھ متاخرین سے۔ کچھ طویل ہیں اور کچھ بہت ہی مختصر۔'' البتہ اتنا ضرور ہے کہ چند کو چھوڑ کر اکثر حضرات کا تعلق پاکستان ہی سے ہے۔ اور اسی بنیاد پر قیامِ پاکستان میں علما کی سرگرمیوں اور نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ میں ان کی کوششوں کا بھی ذکر آ گیا ہے اور اس گوشے پر بڑی اچھی روشنی پڑ گئی ہے۔ ان میں بہتیری ایسی شخصیات ہیں جن کی طرف اہلِ علم نے بہت کم توجہ کی ہے بلکہ کچھ کی طرف تو توجہ ہی نہیں کی گئی۔ علامہ صاحب نے تلاش و جستجو کر کے ان کے حالات یکجا کیے اور ان کی دینی و علمی خدمات پر خامہ فرسائی کی۔ شخصیات کے تعارف میں ہر گوشے پر روشنی نہیں ڈالی گئی ہے بلکہ صرف اہم گوشوں کو اختیار کیا گیا ہے اور نمایاں و ممتاز خدمات ہی پر اکتفا کیا گیا ہے۔

سب سے طویل تذکرہ حضرت شیخ محقق علامہ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ کا ہے۔ سوانحی خاکہ پیش کرنے کے بعد دینی و علمی خدمات اور علمِ حدیث کی تشریح و ترویج میں ان کے گراں قدر حصے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر علمِ مصطفیٰ اختیار و تصرف، حاظر و ناظر، جسم بے سایہ، دیدارِ الٰہی، حیاتِ انبیا، سماعِ موتی، زیارتِ قبور اور زیارتِ روضۂ انور جیسے نزاعی مسائل میں حضرت شیخ محقق کی تصنیفات سے ان کا نظریہ پیش کیا گیا ہے۔

حضرت شیخ محقق کی مایہ ناز کتاب ''تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف'' پر کتاب کے 22 صفحات پر مشتمل علامہ کا ایک گراں قدر تبصرہ بھی شامل ہے۔ اس خوب صورت تبصرے کو پڑھ کر پوری کتاب کا خد و خال نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ تبصرہ پڑھنے کے بعد دل بے اختیار کتاب کے مطالعے کی طرف راغب ہوا۔ خوشی کی بات تو یہ ہے کہ علامہ نے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ حضرت شیخ محقق کی یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے، دوسرے حصے میں فقہ اور فقہا کی اہمیت اور ائمۂ مجتہدین کے احوال و آثار بیان کیے گئے ہیں اور اس پر بھی تفصیلی گفتگو کی

گئی ہے کہ حنفیہ کو ''اصحاب رائے'' اور شافعیہ کو ''اصحاب حدیث'' کہنا حقیقت سے کتنا متعلق ہے۔ فن فقہ و حدیث کے طالبان کو پوری کتاب نہیں تو کم از کم اس حصے کا مطالعہ ضرور کر لینا چاہیے۔ یہ تبصرہ پڑھ کر ایک بالکل نئی چیز ہمیں یہ معلوم ہوئی کہ اس وہم کی دو نمایاں وجہیں ہیں: (۱) صاحب مصابیح اور صاحب مشکوۃ کا تعلق مذہب شافعی سے تھا۔ انھوں نے تلاش و جستجو کر کے اپنے مذہب کے دلائل جمع کر دیے اور احناف کی مستدل احادیث پر جرح و قدح کی۔ (۲) مذہب حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ نے بھی کسی حد تک لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کیا ہے۔ کیوں کہ صاحب ہدایہ نے اکثر مقامات پر عقلی دلائل اور قیاسوں کو بنیاد بنایا ہے اور ایسی حدیثیں لائے ہیں جن میں کسی قسم کا ضعف پایا جاتا ہے۔

حضرت علامہ شرف قادری نے اپنے والد محترم حضرت مولانا مولوی اللہ دتہ ہوشیاری ثم لاہوری معروف بہ ''حافظ جی'' کا تذکرہ بھی شاملِ کتاب کیا ہے اور زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ حافظ جی کے وصال پر چہلم کی تقریب میں شریک ہونے والے علمائے کرام کے خطابات بھی پیش کیے ہیں، پھر ملک و بیرون ملک سے آنے والے تعزیت نامے اور جرائد اہلِ سنت میں شائع ہونے والی انتقال کی خبروں کو بھی جمع فرما دیا ہے۔

اس طرح چھوٹے بڑے مضامین ۱۵ شخصیات پر مشتمل ہیں جو اس سے پہلے مختلف کتب و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں اور بغیر کسی تبدیلی اور حذف و اضافہ کے یہاں یک جا کر دیے گئے ہیں، مگر چند ہی مضامین ہیں جن کا اخیر میں حوالہ دیا گیا ہے۔ زیادہ تر مضامین کے ماخذ کا کوئی پتہ نہیں۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد علامہ کے تعلق سے ایک خاص بات ہم نے یہ نوٹ کی کہ اساتذہ تو اساتذہ اپنے ہم عصروں کا بھی جب تذکرہ آیا ہے تو بڑے ادب و احترام سے ان کا نام لیا ہے اور یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ یہ ان کے ہم عصر ہیں۔

نام کتاب	:تحقیقاتِ رضوی در علمِ غیب نبوی
مصنف	:محمد زبیر احمد رضوی صفحات :۲۱۱
ناشر	:شعبۂ نشر و اشاعت دار العلوم فاروقیہ، مدھ نگر، بلرام پور
مبصر	:محمد فیاض احمد القادری

یہ ایک حقیقت ہے کہ کتابوں نے دنیا بدل ڈالی، ظلمات کے پردے چاک کر دیے، منصف مزاج مصنفوں نے ظلمت میں اجالا کیا اور اجالے میں اجالے کو تقویت بخشی۔ چوں کہ مذہب اسلام

ایک لاثانی فطری اور عالمی مذہب ہے۔ اس لیے اس کی تعلیمات کو جانچنے پرکھنے کا کام ایک طویل عرصہ سے جاری ہے اور اپنے اور بیگانے سب اس پر کام کر رہے ہیں۔

اسلامی تعلیمات کا ایک اہم عنوان مقامِ رسالت و نبوت بھی ہے۔ یہ عنوان انتہائی تحقیق طلب اور نازک ہے۔ بڑے سے بڑے ذہن و فطین مصنفوں نے اس عنوان پر لکھنے میں ٹھوکریں کھائیں اور گستاخیِ رسول کے مجرم قرار پائے جس سے ان کی دنیا و آخرت دونوں تباہ ہو گئیں۔ اس عنوان کے تحت بہت سارے ذیلی عنوانات بھی ہیں ان میں سے ایک عنوان ہے ''آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا علم''۔

چوں کہ مذہب اسلام کے فروغ و استحکام اور اس کی تعلیمات پر بحث و تحقیق کا کام صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے ہی سے شروع ہو چکا تھا، اس لیے اس عنوان پر لائبریریوں اور کتب خانوں میں بہت سا مواد جمع ہو گیا۔ اسلاف و اخلاف کی روایتیں، محققین و مفسرین کی گراں قدر تحقیقات و تفسیرات کے خزانے اکٹھے ہو گئے ہیں، لیکن تحقیق ایک ایسا کام ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

اس حسین روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ابو البرکات محمد زبیر احمد رضوی دام ظلہ نے علوم مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کو معتبر قدیم و جدید کتابوں کے مطالعہ اور قرآن و حدیث کی زریں عبارات کی مدد سے ثابت کیا ہے کہ سرورِ کائنات خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا علم عام انسانوں کی طرح نہیں ہیں۔ بلکہ آپ پر اللہ رب العزت کا ایسا خصوصی کرم ہے جیسا نہ اگلوں پر ہوا اور نہ پچھلوں پر ہوگا۔ آپ پر خدائے بزرگ و برتر نے کائنات کے اسرار و رموز کھول دیے ہیں۔ آپ کے انشراحِ صدر کا یہ عالم ہے کہ قیامت تک واقع ہونے والی بہت سی چیزوں کو اجمالاً اور تفصیلاً آپ نے بیان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمِ غیب عطا کیا، امم سابقہ اور انبیائے سابقین کے احوال و کوائف کی جانکاری دی، نیز آئندہ آپ کی امت کیا کرے گی، کن کن ادوار سے گزرے گی اور کیسے کیسے نشیب و فراز سے دوچار ہوگی، آگاہ کیا۔ آگے چل کر مصنف نے اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب میں فرق کو بھی واضح کیا تاکہ کسی کو یہ خلجان نہ ہو کہ معاذ اللہ ایک صفت میں اللہ اور رسول شریک ہیں۔ آپ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم، واجب، ذاتی، ازلی، ابدی اور غیر متناہی ہے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علمِ غیب عطائی، حادث، ممکن اور محدود ہے۔

موصوف کی تحقیق کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہی ہے، جو کچھ کہا ہے، قرآن و حدیث اور اسلاف و اخلاف کے اجماع کی روشنی میں کہا ہے۔ علمِ غیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے ٹھوس اور مستحکم دلائل پیش کیے ہیں جن کے ہوتے ہوئے علم غیب نبوی کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اگر کوئی قرآن کی کسی آیت کا انکار کرے یا حدیث متواتر اور حدیثِ مشہور کا منکر ہو اور ضروریاتِ دین کی توہین کرے تو وہ مومن ہرگز نہیں بلکہ کافر ہو جائے گا۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود محمد بن عبد الوہاب نجدی، اسماعیل دہلوی اور ان کے غلام مولوی صغیر احمد ہرہٹی تلشی پور اور اس کے علاوہ بہت سے وہابیوں نے ضرورتِ دینی کا انکار کیا۔ قرآن کریم کی آیات کریمہ کو جھٹلایا اور علمِ غیب مصطفیٰ پر دلالت کرنے والی قرآنی آیتوں اور حدیثوں کا انکار کیا اور ان آیتوں پر ایمان رکھنے والوں پر سب و شتم کیا، مذہبِ اہلِ سنت کو غلط بتایا، سوادِ اعظم کی اہانت کی اور وہابیت کو، جو عین کفر ہے، حق بتایا۔ کیا یہ سب کفر نہیں، کیا یہ دینِ اسلام سے بغاوت نہیں، کیا یہ رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری سے انکار نہیں ہے۔ تو پھر ایسے لوگ مسلمان کیسے ہو سکتے ہیں اور ان کی باتوں پر کان دھرنا کیوں کر روا ہو سکتا ہے؟؟؟

مسلمانوں کو چاہیے کہ پاسبانیِ حرم اور ناموسِ رسالت کے تحفظ کی خاطر متحد ہوں اور سیلِ رواں بن کر اسماعیل دہلوی اور اس کے ہم نواؤں کا قلع قمع کر دیں اور ان تمام کتابوں کو نذرِ آتش کر دیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ادنی سی بھی تنقیص پائی جاتی ہو۔ تحقیقات رضوی در علم غیب نبوی جیسی تمام کتابوں کو دنیا میں عام کیا جائے، جن کے مضامین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم سے لبریز ہوں اور جن کے ہر ہر حرف سے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری کی خوشبو پھوٹتی ہو۔

تحقیقات رضوی در علم غیب نبوی کو مصنف نے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مستغرق ہو کر تصنیف کیا ہے۔ قارئین اس کتاب سے مستفید ہوں اور دوسروں کو استفادہ کرنے کی تلقین کریں۔

حافظ ملت زندہ باد

حضرت بیکل اتساہی، بلرام پوری

حسنِ عقیدت کا یہ نعرہ، حافظِ ملت زندہ باد
ظلمت میں جگ مگ اجیارا، حافظِ ملت زندہ باد

بگڑا ہوا ماحول بنائے، بنجر میں گلشن لہکائے
علمِ شہِ دیں کا گہوارہ، حافظِ ملت زندہ باد

اک قطرے کو دریا کر دے، ادنیٰ ہو تو اعلیٰ کر دے
بھٹکے ہوؤں کا قطب ستارا، حافظِ ملت زندہ باد

فکر میں ملت کی تعمیریں، ذہن میں نسلوں کی توقیریں
عزم و عمل کا نوری ستارا، حافظِ ملت زندہ باد

دشمن کے حق میں بھی دعا دے، دوست کو مسند پر بٹھلا دے
اخلاق و اخلاص کا دھارا، حافظِ ملت زندہ باد

مہماں کی خاطر بچھ جائے، بھوک کسی کی دیکھ نہ پائے
ہر منزل دکھیوں کا سہارا، حافظِ ملت زندہ باد

سنت سرور دیں کا مظہر اور اعلیٰ کردار کا پیکر
فردوسِ ایماں کا نظارا، حافظِ ملت زندہ باد

جہل کو علم کی دولت بخشے، گم ناموں کو شہرت بخشے
عظمت و عزت کا فوارہ، حافظِ ملت زندہ باد

بے پر کو پرواز دیا ہے، کم تر کو اعزاز دیا ہے
لطفِ مشیت کا ہے اشارہ، حافظِ ملت زندہ باد

ہر مشکل آسان ہوئی ہے، دشواری بے جان ہوئی ہے
جب اُن کے بیکلؔ نے پکارا، حافظِ ملت زندہ باد!

ترانۂ اشرفیہ

میں بلبل مرا باغ اشرفیہ
میں چہکوں دن رات نبی کا میٹھا میٹھا نام

اس کی زمیں کے ہر ذرے کو چاند سُرج ڈُلرائیں
اس کے ہر پودے کو رچ رچ موسمِ گل لہکائیں
غنچہ و گل کی لہک مہک سے بٹتی روز حیات
نبی کا میٹھا میٹھا نام

حافظِ ملت کا صدقہ ہیں سب اس کی بنیادیں
اینٹ اینٹ سے جھلک رہی ہیں صرف انھیں کی یادیں
جو کچھ ہیں اس کی زینت میں، ہیں ان کے جذبات
نبی کا میٹھا میٹھا نام

عشقِ نبی ہے میری بصیرت قادریت بینائی
سچائی ہے اسلحہ میرا، امن مری انگڑائی
میں ہوں سپاہی امجدیت کا عزم نبی کی نعت
نبی کا میٹھا میٹھا نام

گنبدِ خضریٰ چوم چوم کے گاتی ہوئی پروائی
علم کے دریا، پیار کے ساگر کی لہکے انگنائی
دوار پہ اُس کے شانِ رضا کی بٹتی ہے خیرات
نبی کا میٹھا میٹھا نام

اس کے تحفظ میں ہیں عزیز ملت کی تدبیریں
اس کے وقار سے وابستہ ہیں لاکھوں کی توقیریں
محشر تک اس پر ہو بیکلؔ رحمت کی برسات
نبی کا میٹھا میٹھا نام

صدائے بازگشت

یہ کالم ایک "صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے"۔ اس کے تحت علمی، فکری، تنقیدی اور تجزیاتی مراسلات کو ترجیح دی جائے گی

مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان ماہ نامہ اشرفیہ

وقار قلم ادیب شہیر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب،
ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ السلام علیکم

مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان ماہ نامہ اشرفیہ ماہ بہ ماہ مل رہا ہے۔ آپ کی باوقار ادارت میں ماہ نامہ جس برق رفتاری کے ساتھ عروج و ارتقا کی منزلوں سے گزر رہا ہے اس پر آپ بجا طور پر پوری جماعت کی طرف سے ڈھیر ساری مبارک بادیوں کے مستحق ہیں۔

حال و ماحول کے اعتبار سے مضامین کے حسن انتخاب نے رسالے کی اہمیت و عظمت کو بھی دوبالا کر دیا ہے اور آپ کی قدر و منزلت میں اضافہ بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ زبان و قلم کی دینی خدمات نے آپ کو قابل رشک بنا دیا ہے۔ ہمارے لیے بھی دعا فرمائیں، اللہ رب العزت تا زیست مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت پر قائم رکھے تا کہ یہی کفارۂ سیئات اور ذریعۂ نجات بن جائے۔ حضور عزیز ملت دام ظلہ العالی و اساتذۂ کرام کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ فقط۔ والسلام مع الاحترام۔

محمد عاقل رضوی مصباحی، صدر المدرسین الجامعۃ القادریہ، رچھا اسٹیشن، بریلی

سواد اعظم کی سمٹتی ہوئی بساط

محترم مدیر اعلیٰ السلام علیکم

ماہ نامہ وقت پر بلاناغہ ملنے کا ریکارڈ رکھتا ہے، یہ بھی انفرادیت آپ ہی کے ماہ نامہ کو حاصل ہے۔ دن بہ دن نکھار، ترقی اور قیمتی مشمولات گرویدہ بنا رہے ہیں۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔ عرض یہ ہے کہ ابھی حال ہی میں مدنی پرائیویٹ لمیٹڈ (جمعیۃ علمائے ہند) کی جانب سے مغالطہ آمیز اور سفید جھوٹ پر مبنی بیان کہ جمعیۃ کے ارکان کی تعداد ملک میں ایک کروڑ ہے (حالاں کہ تمام ارکان سو فی صد علما ہی ہیں) پڑھ کر حیرت ہوئی، جب کہ پورے فرقے کی تعداد ایک کروڑ ہو قابل غور ہے۔ لیکن اس میں بھی ایک سوچ ہے، ایک فکر ہے۔ ہم سواد اعظم کے امین اور دعوے دار اگر یہ سمجھتے ہیں کہ صرف چند علاقوں کی حفاظت اور عروس البلاد ممبئی کی قیادت ہمیں سواد اعظم کا پاسبان منواتی رہے گی تو احمقوں کی جنت میں رہنے والے ہو سکتا ہے اس پر آنکھ بند کر لیں اور اپنے اپنے آشیانوں میں میٹھی نیند کی گولی کھا کر سو جائیں، لیکن ہوش و حواس میں کھلی آنکھوں والا اس پر قطعی اعتبار نہیں کر سکتا۔ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیے برصغیر کے سواد اعظم بورڈ پر جہاں زکریا ملتانی اور غریب نواز سے لے کر یحییٰ منیری اور بندہ نواز تک تصوف و اخلاق کے مبلغ اور توحید و رسالت کے سچے وارث اور پرچارک ہوں اور عالمی منظر پر رومی و سعدی جیسے اسکالر ہوں اور رازی و غزالی اور امام احمد رضا جیسے علم کلام کے ماہر اور ہر باطل فرقے سے اسلام و ایمان کی شمع فروزاں کو بچانے والے محافظ ہوں؟ کیا ہم اپنے آپ کو اس موقف پر پاتے ہیں کہ ہم بھی کسی تنظیمی پلیٹ فارم سے اس طرح کا اعلان کریں۔ ہاں بے ہوش مقررین ضرور دن کے اجالے میں نہیں بلکہ رات کی تاریکی میں اعلان کر کے نعرے لگوا کر اپنی تعداد انگلیوں پر گنوا سکتے ہیں۔ اب آپ ہی سوچیے کہ سواد اعظم کی زندگی اور دعوے داری کے لیے کیا یہی تعداد اور یہی طریقہ کافی ہے۔ ہرگز نہیں! تو اٹھو اب ہمارے پاس علم کی روشنی، تنظیم کی زنجیر اور افراد و اشخاص کا قافلہ ملت کی زلف برہم سنوارنے والے قائدین اور قوم کو اخوت و محبت اور جام توحید و رسالت پلانے والے علما و گدی نشین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ کچھ کریں۔ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور تقاضے کو سمجھیں اور وقت کی نبض پر ہاتھ رکھیں اور قدیم طریقوں کے ساتھ ساتھ جدید ذرائع و انداز اپنائیں۔

میں صرف گدی نشین بزرگوں کے شہزادگان کو آواز دیتا ہوں کہ وہ اٹھیں اور ملک میں پھیلی ہوئی سیکڑوں خانقاہوں سے اپنے رابطہ کو مضبوط کریں۔ آج اکثر خانقاہوں کے مابین آپسی کشمکش اور بدگمانی و غلط فہمی پیدا ہو چکی ہے اور اکثر خانقاہوں کے سجادگان و شہزادگان جن پر علاقے والے صدقے واری ہوتے ہیں وہ دینی تعلیم سے غافل ہوتے جا رہے ہیں یا پھر غلط فرقے و جماعتوں کے شکار ہو رہے ہیں۔ حالاں کہ انھیں خود اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا ہے کہ جس نئے فرقے سے ان کی یاری ہوئی ہے وہ نہ صرف دوستی کی آڑ میں ان کے خرمن ایمان کو جلا ڈالے گا، بلکہ ظاہری آن بان شان کے شیش محل کو بھی زمین بوس کر دے گا۔ آج جو ہر جگہ ان کی تعداد نظر آتی ہے، قیادت و امامت ان کی نظر آتی ہے، وہ ہماری

غفلت کا نتیجہ ہے۔ان کا پروپیگنڈہ اس طرح ہے، جیسے ہر جگہ انھوں نے سکے بٹھا دیے ہیں۔ حالاں کہ یہ بین السطور حقائق کے خلاف ہے۔ در اصل ان کی حرکت وعمل کی بنیاد پر وہ میر مجلس بن جاتے ہیں اور دور دراز کے علاقے والے انھیں کو اپنا برحق پیشوا تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ان کی چالاکی ومکاری اور جھوٹا درد وکرب اور نمائشی اخلاق وکردار اور سب سے بڑھ کر ان کی جفاکشی سادہ لوح عوام پر ایسی تصویر مرتسم کرتی ہے کہ دھیرے دھیرے وہ ان کے سچے معتقد بن جاتے ہیں۔ لہذا اب ہمیں بھی میدان علم وعمل میں اخلاق کا ہتھیار لے کر عملِ پیہم اور محکم یقین کے ساتھ جہد مسلسل کو مہمیز کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اگر یہ نوجوان شہزادگان اس مہم کی قیادت کریں تو نتیجہ انتہائی خوش کن ہو سکتا ہے۔ لیکن ضرورت ہے کہ علمائے کرام اور صاحب زادگان آپسی تال میل اور ہر حال میں اخلاص، اصلاح مفاسد اور سادہ لوح امت پیش نظر رکھیں۔ فقط

محمد نظام الدین برکاتی۔

جنرل سکریٹری آل انڈیا اصلاحی وامدادی مشن رجسٹرڈ ہماگر، کرناٹک

اشرفیہ کی تحریروں کو اصحاب بصیرت خوب سراہتے ھیں

فخرِ صحافت، پیکرِ خلوص ومحبت حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب، چیف ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بعد آداب وتسلیمات کے خدمت عالی جاہ میں عرض ہے کہ راقم اپنے وطن میں خیریت سے رہ کر موصوف کی عافیت خداوند قدوس سے ہمہ دم چاہتا ہے۔ اب یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ماہ نامہ اشرفیہ حضور ابوالفیض حافظ ملت کے روحانی اور عرفانی فیضان سے دنیائے صحافت کی بلند بانگ چوٹیوں کو چھو رہا ہے اور عالمِ اسلام میں ہمارے اسلاف وعلمائے اہلِ سنت کے بیچ عظیم ترین کارناموں، نیز خدمات دینی وعلمی اور تحقیقی کو خوب فروغ مل رہا ہے۔ فتنوں کے خلاف اور پروپیگنڈوں کے دفاع میں ماہ نامہ اشرفیہ کی عمدہ تحریرات ونگارشات اور مفید آرا کو اصحاب بصیرت خوب سراہتے ہیں۔

جب بھی ماہ نامہ اشرفیہ کی تاریخی اور ادبی حیثیت پیش کی جائے گی، موصوف کا نام یقیناً سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔ میں پورے وثوق واعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مولانا مبارک حسین صاحب جماعت اہلِ سنت کے ایک عظیم اسکالر اور دانش ور صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ عمدہ قسم کے مصلحِ قوم بھی ہیں۔ اللہ رب العزت اشرفیہ اور ماہ نامہ اشرفیہ کو مزید ترقی کی راہ پر گام زن فرمائے۔ آمین۔ فقط

محمد اسلم رضا قادری

مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ، باسنی، ناگور، راجستھان

علمائے اھل سنت کے مابین اتحاد واتفاق کی اھم ضرورت

جماعت اہل سنت میں اتنے اختلافات ومسائل نے جنم لے لیا ہے کہ جب بھی کوئی صاحب قلم، قلم اٹھانے کی جرات کرتا ہے تو خامہ برلب یہی سوچتا رہتا ہے کہ پہلے کس فتنے کا سد باب کیا جائے، حقیقت تو یہ ہے کہ جماعت اہل سنت کی حالت وکیفیت مندرجہ ذیل شعر کا مصداق بن چکی ہے:

ایک دو زخم نہیں جسم ہے سارا چھلنی
درد بیچارہ پریشاں ہے کہاں سے اٹھے

فتنہ وفساد کی کثرت کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہر صبح طلوع ہونے والا سورج جماعت اہلسنت کے لیے ایک نئی مصیبت کے ساتھ ہی طلوع ہوتا ہے۔ کبھی اشرفی رضوی اختلافات تو کبھی مسلک اعلی حضرت کہنے اور نہ کہنے پر ہنگامہ آرائی، ایک المیہ ختم نہیں ہونے پاتا کہ دوسرا جنم لے لیتا ہے۔ ابھی چند ماہ سے فتنے کا ایک نیا باب کھل گیا ہے اور وہ بھی صرف اتنی سی بات پر کہ نومبر ۲۰۰۷ میں عروس البلاد ممبئی میں حسب سابق سنی دعوت اسلامی کا سالانہ اجتماع تھا اس میں مولانا ظہیر الدین صاحب نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بیان کی، اور بجائے اس کے کہ وہ یہ کہتے اب میں اس حدیث پاک کی تشریح کروں گا، انہوں نے یہ کہہ دیا: ابھی اس کی ہندی کی چندی کرنے کی کوشش کروں گا۔ (جیسا کہ عرس اعلی حضرت کے موقع پر تقسیم کیے گیے ایک پمفلٹ میں مکتوب ہے) بعدہ ۲۷ دسمبر ۲۰۰۷ کو مینارہ مسجد میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا موصوف کی تقریر کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا، پھر کیا تھا! (ہم کسی سے کم نہیں) جانبین کی طرف سے ایک دوسرے کے خلاف جلسہ جلوس اور پوسٹر بازی کا ایک غیر متناہی سلسلہ چل پڑا، جو کہ تادم تحریر وقفہ کی ساتھ جاری ہے۔ اگر دو چھوٹے آپس میں بدست وگریباں ہوں تو بڑے ان کو سمجھا کر مصالحت کرا دیں مگر جب بڑے ہی باہم برسرپیکار ہو جائیں تو پھر بھلا ان کے درمیان کون بیچ بچاؤ کرائے؟ میں فریقین میں سے کسی کا نہ تو حامی ہوں اور نہ ہی مخالف، میرے لیے تو دونوں ہی قابل احترام ہیں، لیکن

جماعت اہلسنت کا ایک ادنی مگر مخلص و ہمدرد فرد ہونے کے ناطے میں اپنے بڑوں کی بارگاہ میں صرف اتنا عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ ہم میں سے کوئی بھی انسان معصوم نہیں ہے اگر کسی سے کوئی خطا سرزد ہوجائے تو ادع الی سبیل ربك بالحکمة و الموعظه الحسنه و جادلهم بالتی هی احسن کے تحت اس کی اصلاح کرکے پردہ پوشی کردی جائے اور علما کے داخلی معاملات ونزاعات بہتر یہ ہے کہ عوام الناس کے درمیان نہ پہنچیں تاکہ علما کے تئیں ان کے دلوں میں نفرت و بدگمانی نہ پیدا ہو، اس لیے کہ اسی میں قوم وملت کی ترقی وکامرانی کا راز پنہاں ہے۔ ممبئی ہی ہندوستان کا وہ واحد شہر ہے جس کے مادی تعاون سے اتر پردیش کے نوے فیصد مدارس رواں ہیں اگر وہیں کے لوگ علما سے متنفر ہوگیے تو ان مدارس کا کیا ہوگا جو دہائیاں گزرنے کے بعد بھی آج تک خود کفیل نہیں ہیں۔ ممبئی ہی ایک ایسا شہر تھا جہاں اہل سنت کا غلبہ تھا اور عوام پر علماے اہل سنت کی گرفت مضبوط تھی لیکن آج اسی آپسی اختلاف وانتشار کی دین ہے کہ یہاں سے بھی بتدریج سنیت کا صفایا ہوتا جارہا ہے۔ بدمذہبیت کے آغاز کو ابھی دو صدیاں بھی نہیں گزریں لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ نماز پڑھنے کے لیے خود انہیں لوگوں کو مسجد تلاش کرنی پڑرہی ہے جو لوگ آج سے چند سال قبل ان مسجدوں کے متولی تھے، دراصل اہل سنت کی تباہی کے ذمہ دار وہی لوگ ہیں جنہیں یہ دعوی ہے کہ ہمارے سینے میں قوم وملت کا درد ہے۔ لیکن فی الواقع قوم و ملت کا درد نہ تو ان کے سینے میں ہے اور نہ ہی دل میں، اگر درد ہے تو صرف پیٹ میں، چونکہ درد اگر دل میں ہوتا تو اپنی ذاتی منفعت سے زیادہ قوم کے سودوزیاں کا خیال ہوتا۔ لیکن ملت کے نفع ونقصان کا کسی کو ہرگز کوئی خیال نہیں ہے، اور اس کی واضح مثال یہ ہے کہ چند سال قبل الیاس قادری صاحب نے دعوت اسلامی کی بنیاد ڈالی مگر کچھ لوگوں کو جماعت اہل سنت کی یہ وحدت اور ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا ایک پل نہ بھایا، انہوں نے تفرقہ ڈال کر ایک دوسری تحریک بنام سنی دعوت اسلامی قائم کرادی۔ ماشاء اللہ یہ تنظیم ممبئی اور گجرات کے علاقے میں بڑی کامیاب رہی لیکن اب کچھ لوگ اسے بھی نیست و نابود کرنے کے درپے ہیں (رب قدیر اسے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین)۔

ایک دوسری بات پر بھی بڑا واویلا مچا ہوا ہے کہ مولانا ظہیر الدین صاحب علما کاؤنسل کے صدر ہیں اور یہ ایسی تنظیم ہے جس میں ہر مکتب فکر کے لوگ شامل ہیں، تو میں کہتا ہوں کہ خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بربنائے مصلحت یہود ونصاری اور کفار ومشرکین سے مصالحت اور معاہدہ کیا ہے لہذا اگر مولانا موصوف مصلحتاً اس تنظیم کے صدر ہیں تو اس میں کیا قباحت ہے! بلکہ خوشی کی بات تو یہ ہے کہ اس تنظیم کا صدر ہماری جماعت کا ایک فرد ہے اگر یہ نہ ہوتے تو کوئی دوسرا ہوتا۔ اس بات پر انہیں گمراہ قرار دینا کہاں کی دانش مندی ہے۔

ابن انشا نے سچ ہی کہا ہے: دنیا میں بہت سارے دائرے ہیں، انہیں میں ایک دائرۂ اسلام بھی ہے لیکن اب اس دائرے میں داخلہ نہیں صرف خارجہ ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں نے کافر ومشرک، بددین اور گمراہ جیسے القاب کی مہریں بنا رکھیں ہیں، جب اور جس پر دل چاہا لگا دیا۔ جب کہ کسی کو گمراہ اور بددین ٹھہرانے سے حتی الامکان گریز کرنا چاہیے، یہی طریقہ ہمارے اسلاف کا ہے۔

یوں ہی علما کی صرف عیب جوئی سے بھی دور رہنا چاہیے اس لیے کہ یہ کام تو گندی مکھیوں کا ہے کہ تمام حسین وجمیل جسم کو چھوڑ کر صرف زخم تلاش کر اسی پر بیٹھتی ہیں لہذا میں تنظیم رضائے مصطفی کے ممبران سے گزارش کروں گا کہ انہوں نے عرس اعلی حضرت کے موقع پر چند علما کے خلاف جو پمفلٹ تقسیم کیا ہے ایسے اعمال بد سے پرہیز کریں، اگر آپ صحیح معنوں میں سنیت کے خیر خواہ ہیں اور رضائے مصطفی کے لیے کام کررہے ہیں تو مصطفی جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں: جس نے کسی مومن کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالی بروز حشر اس کے گناہوں کی پردہ پوشی فرمادے گا۔ اگر کام کرنے کا جذبہ ہے تو فکر منفی نہیں مثبت رکھیے اور سال آئندہ عرس اعلی حضرت کے زائرین کو اعمال حسنہ اور بلندیِ اخلاق و کردار کی دعوت دیجیے؟۔ آپ کے ان منفی اور تخریبی افکار واعمال سے جماعت اہل سنت کمزور ہوتی ہے اور اغیار ہم پر ہنستے اور مزاق اڑاتے ہیں:

غیر ہنستے ہیں، تمہیں کچھ شرم تو آتی نہیں
غیرتِ قومی تمہارے دل کو تڑپاتی نہیں

اور اخیر میں ہم ممبئی کے اپنے دینی بھائیوں سے گزارش کرتے ہیں کہ بروز قیامت ہر شخص صرف اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوگا اس لیے آپ کسی کے اختلاف میں نہ پڑیں؟ اللہ نے آپ کو عقل سلیم عطا کی ہے اس لیے کبھی کسی بدعقیدہ کے بہکاوے میں نہ آئیں بلکہ مسلک حق یعنی مسلک اعلی حضرت پر تاحیات عمل پیرا رہیں؟ رب قدیر ہم سب کو باہمی اختلافات سے مامون ومحفوظ رکھے، اور اتحاد کے ساتھ

مسلک اہل سنت پر گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین فقط

تاج محمد خاں ازہری
البرکات، علی گڑھ

ہم سب ایک عظیم قومی و ملی حادثے سے دوچار ھیں

گرامی صد عز ووقار محبی مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب
ایڈیٹر اشرفیہ مبارک پور   ہدیۂ سلام وخلوص

مزاجِ ہمایوں! عرصہ ہوا ماہ نامہ اشرفیہ کی زیارت سے محروم ہوں۔ حالاں کہ میرا پتہ آپ کے پاس موجود ہے اور تمام خطوط ورسائل اسی پتے پر وصول یاب ہو رہے ہیں، اپنا پتہ میں دوبارہ حاضر کر رہا ہوں، اور اسی پر ماہ نامے کا انتظار رہے گا۔ ماہر رضویات حضرت ڈاکٹر پروفیسر مسعود احمد کراچی کے وصال پر ایک تعزیتی خط بھی بھیج رہا ہوں، ممکن ہو تو شریکِ اشاعت فرما دیں۔ اکابرینِ اہل سنت رفتہ رفتہ اٹھتے جا رہے ہیں، اور ہم سب ایک عظیم قومی اور ملی حادثے سے دوچار ہیں۔ رب قدیر ان کے اماثل پیدا فرمائے جو انھیں خطوط پر کام کر سکیں۔ آمین۔ ہند و پاک کے دینی جلسوں کے اسٹیج پر ان دنوں جس طرح کے پیشہ ور نعت خواں حضرات قابض ہیں انھیں سن کر جس قدر دل آزاریوں کا احساس مجھے ہوتا ہے، اسے میں لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ ایک دور تھا کہ جب بیکل اتساہی، اجمل سلطان پوری، راز الہ آبادی، ترنم فیضی جیسے شعرا عشق و عرفان کی لطافتوں میں ڈوب کر پڑھتے تھے تو یقین جانیے کہ پوری محفل زعفران زار بن جایا کرتی تھی۔ لیکن ان حضرات کے اسٹیج کی دنیا سے الگ ہو جانے کے بعد اب وہ کیفیت دور دور تک نظر نہیں آتی۔ مجھے جہاں تک خیال ہے، میں نے اپنے بچپن کے زمانے ۱۹۸۰ء میں پہلی بار حضرت بیکل اتساہی کو سنا تھا۔ ان کی آواز کا سحر ایسا تھا کہ آج بھی اس کی بازگشت میرے دل و دماغ کے آفاق پر موجود ہے، اور میں نہیں چاہتا کہ اس نشہ سے ہمارا دماغ کبھی خالی ہو۔ میری ناقص رائے یہ ہے کہ "المجمع المصباحی مبارک پور" کی جانب سے حضرت بیکل اتساہی اور دیگر اہم پرانے نعت گو شعرا کی خوب صورت آوازوں پر مشتمل کیسیٹ، یا سی ڈیز منظر عام پر لائی جائے، ساتھ ہی اس کے ذریعے سے نئی پود کے نعت خوانوں کو باضابطہ ٹریننگ یا ترغیب دی جائے کہ وہ اپنے آپ کو اسی رنگ و آہنگ میں ڈھالیں۔ نوجوانوں میں اگر چند افراد بھی حضرت بیکل کے لب ولہجے میں پڑھنے والے پیدا ہو گئے تو میں سمجھتا ہوں کہ ایک بار پھر ہندوستان کے دینی جلسوں میں ایک روحانی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی، مبارک پور سے "حافظ ملت نمبر" کی مزید اضافے کے ساتھ دوبارہ اشاعت ہونے والی ہے۔ آپ سب کی یہ عظیم کاوش حد درجہ مبارک بادیوں کی مستحق ہے۔ فقط۔ والسلام

خلوص کار، محمد فروغ القادری، انگلینڈ

ڈاکٹر مسعود احمد کے وصال سے ایک بڑا نقصان ہوا ھے

مخلصِ گرامی مبارک حسین مصباحی صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ طالب الخیر مع الخیر۔ ہمارے اسلاف کرام دھیرے دھیرے اٹھتے چلے جا رہے ہیں، بزم علم ودانش سونی ہوتی جا رہی ہے، جو بھی بزرگ جا رہا ہے، بہ ظاہر ان کی جگہ پر کرنے والا نظر نہیں آتا۔ ان دو سالوں میں ہند وپاک کی کئی عظیم المرتبت علمی شخصیات کے وصال سے جو خلا ہوا ہے وہ بھی پر نہیں ہوا ہے۔ علمی اور قلمی دنیا میں انقلاب برپا کرنے والی عظیم ہستی سعادت لوح وقلم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری کے وصال سے ایک بڑا نقصان ہوا ہے۔ وہ ہماری جماعت کی آبرو تھے۔ علمی دنیا میں ہماری جماعت کی طرف سے تعلیم وتحقیق کی نئی روایتیں قائم کرنے والے اس قابلِ فخر مفکر کی شخصیت کے کئی ایک پہلو ہیں۔ ان کے ایمان افروز، دل آویز اور مقبول ترین مقالات اور علمی وتحقیقی تصنیفات نے سیکڑوں دلوں میں انقلاب پیدا کیا ہے۔ مسلک حق اعلیٰ حضرت کی نشر واشاعت میں ان کے کارنامے کون فراموش کر سکتا ہے۔ ان کے باوقار قلم نے دنیا بھر میں امام احمد رضا کو خوب صورت اور تحقیقی انداز میں متعارف کرانے میں جو کاوشیں کی ہیں وہ زریں حروف سے لکھی جانے کے قابل ہیں۔

اکابر کے مودب، باوفا اور اصاغر پر مہربان تھے، فقیر قادری کو کئی مرتبہ خطوط سے نوازا اور اپنی تصانیف علمیہ عطا فرما کر ذرہ نوازی فرمائی۔ ایسے مخلصین کے کارناموں سے عوام کو واقف کرنا اہم کام ہے۔ امید ہے کہ اشرفیہ بھی اس سلسلے میں خصوصی گوشہ شائع کرے گا۔ پھر آپ کے گل بار قلم سے تو امید کی جاتی ہے کہ مسعود ملت کے علمی، رضوی اور اصلاحی کارناموں پر گل ہائے رنگارنگ بکھیرے گا۔ اللہ کریم ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کا نعم البدل ہمیں عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین، صلی اللہ علیہ وسلم۔

از: غلام مصطفیٰ رضوی، باسنی، ناگور، راجستھان

عالمی خبریں

مسجد النور، ہوسٹن، امریکہ میں
ڈاکٹر مسعود علیہ الرحمہ کا تعزیتی جلسہ

۲۸/اپریل بروز پیر محقق عصر ماہر رضویات یادگار سلف حضرت پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کراچی میں انتقال کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یہ جاں کاہ خبر کوئی معمولی نہ تھی بلکہ دلوں پر بجلی بن کر گری اور ذہن و دماغ کو ماؤف کرتی چلی گئی۔

نارتھ امریکہ کی مرکزی مذہبی تنظیم النور سوسائٹی آف گریٹر ہیوسٹن کے ذمہ داران اور علما نے دکھ درد کا اظہار کیا اور پھر ۲۹/اپریل منگل کو ڈاکٹر مسعود احمد صاحب مرحوم و مغفور کے لیے قرآن خوانی اور تعزیتی جلسے کا اہتمام کیا گیا۔

اتفاق ہی تھا کہ ڈاکٹر مسعود صاحب کے بہت قریبی حاضر باش اور تربیت یافتہ جناب پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری ان دنوں امریکہ کے دورے پر شہر ہیوسٹن میں قیام پذیر تھے۔ ان کو اطلاع دی گئی اور قرآن خوانی و جلسۂ تعزیت منعقد ہوا۔ عصر سے مغرب تک قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ پھر مغرب بعد تعزیتی جلسے کا اہتمام ہوا۔

نمازِ مغرب کے بعد پروگرام شروع ہوا اور تلاوت و حمد و نعت کے بعد علمائے کرام نے اپنے اپنے تاثرات پیش کیے۔ حضرت مولانا مفتی قمر الحسن قادری صاحب نے محترم ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمہ کی ذات کے حوالے سے تازہ ترین اشعار پیش کیے، جو حسب ذیل ہیں۔

نشاطِ علم سے سرشار تھا وہ
مئے الفت کا بادہ خوار تھا وہ
جلو آفاقیت سے تھا درخشاں
بڑا ہی صاحب کردار تھا وہ
قلم کا آتشیں جوہر لیے تھا
نبی کے عشق کا گوہر لیے تھا
بڑا شیریں سخن لہجہ تھا اُس کا
مگر تحریر کا نشتر لیے تھا
محقق تھا بڑا صاحب نظر تھا
رضا کی فکر کا وہ دیدہ ور تھا
وہ جامع تھا علوم دینیہ کا
شکستہ قلب تھا، یکتا گہر تھا

حضرت مفتی صاحب نے دورانِ کلام فرمایا کہ: ''میں نے ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے ذریعہ جانا اور امام احمد رضا کو ڈاکٹر مسعود کے ذریعہ پہچانا، کیوں کہ ہمارے اساتذہ نے عہدِ طالب علمی ہی میں سیدی اعلیٰ حضرت کا نیازمند بنا دیا تھا، مگر ابھی تفصیلات معلوم نہیں ہوئیں، لیکن جب پروفیسر مسعود احمد صاحب کو پڑھا تو امام احمد رضا کے تنوعات ظاہر ہونے شروع ہوئے اور ان کی ہمہ گیر آفاقیت اور اقران پر تفوق کا پتہ چلا۔ کیوں کہ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے امام احمد رضا کی فکر کے ان مخفی گوشوں کو اجاگر کیا جو صرف کتاب کا حصہ تو تھے مگر ان کو ذہنوں میں اتارا جانا باقی تھا۔ اس لیے یہ بات مسلم ہے کہ ڈاکٹر مسعود صاحب چوں کہ اپنے وقت کے ماہر رضویات تھے اور انڈو پاک میں اس موضوع کے حوالے سے وہ درجۂ استناد تک پہنچے ہوئے تھے تو رضویات کے حوالے سے سب سے پہلے آپ ہی کا نام لیا جاتا تھا۔''

حضرت مفتی صاحب نے آگے چل کر مزید بیان کیا کہ: ''میں نے ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کو صرف ایک بار دیکھا۔ وہ پہلی اور آخری ملاقات رہی۔ سن دو ہزار میں جب میں انڈیا گیا تھا تو ڈاکٹر صاحب موصوف ان دنوں دہلی میں قیام پذیر تھے، تو ہم، ہمارے دوست ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ہمدرد یونیورسٹی اور مولانا شمس الہدیٰ جامعہ اشرفیہ ان سے ملنے فتح پوری مسجد گئے۔ وہیں مفتی مکرم صاحب کے حجرے میں دیر تک گفتگو رہی۔ موصوف انتہائی سادہ، خوش مزاج اور متواضع انسان لگے، بلکہ بڑی خاص محبتوں سے گفتگو فرماتے رہے۔''

مفتی صاحب نے مزید فرمایا: ''رواں صدی میں اسلوبِ تحریر کی انفرادیت کے لحاظ سے دو شخصیتوں کا نام بالکل نمایاں ہے، حضرت علامہ ارشد القادری اور حضرت ڈاکٹر مسعود احمد علیہما الرحمہ۔ ان حضرات نے اردو کو دلوں کی دھڑکن عطا کر دی اور سبک اردو کو مکالماتی لب و لہجے میں ڈھال کر قاری کے لیے کی جاذبیت پیدا کر دی۔ وغیرہ''

حضرت مفتی صاحب کے بعد ناظمِ اسٹیج حضرت مولانا عبدالرب صاحب نے معزز مہمان گرامی قدر پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب کو اظہارِ خیال کے لیے دعوت دی۔ ڈاکٹر مجید اللہ صاحب نے اپنی پی ایچ ڈی کا مقالہ ''کنز الایمان اور معروف تراجم قرآن'' مرحوم ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی زیر نگرانی مکمل کیا۔ اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مزاجِ رضا کے حوالے سے ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی نگاہ کتنی دور رس اور معتبر ہے۔ انھوں نے اس ترجمۂ کنز الایمان کے تقابلی مطالعے میں تنقید کا کوئی پہلو باقی نہ چھوڑا ہوگا۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر مجید اللہ صاحب نے کئی بار اس کا اظہار بھی کیا کہ ان کی زندگی میں دینی ترجیحات کے جتنے عناصر نظر آرہے ہیں، یہ چشمِ فیض ہے چند اکابر اہلِ دل کی جن میں ڈاکٹر مسعود احمد صاحب مرحوم ایک ہیں اور ان کی چشمِ کشاد نے میرے اندر بہت سارے تغیرات پیدا کیے۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری بہت

پژمردہ، متاثر اور غم زدہ تھے کہ میں اپنے استاذ اور مربی کے آخری دیدار اور آخری رسومات میں شریک نہ ہو سکا۔ تاہم انھوں نے کوئی پچاس منٹ تک اپنے خیالات کا اظہار کیا اور مرحوم کی زندگی کے کتنے گوشے ایسے واضح کیے جو ان کی دیانت، تقویٰ اور زاہدانہ زندگی کی تحقیقات سے تعبیر ہیں۔ آپ نے ڈاکٹر مسعود علیہ الرحمہ کے حوالے سے بتایا کہ ان کا تعلق امام احمد رضا سے کیسے ہوا اور انھوں نے ایک عبقری شخصیت پر اتنا بڑا کام کیسے کر لیا کہ وہ رضویات کے حوالے سے سنگ میل بن گئے۔ آپ نے بیان فرمایا کہ:

"پاکستان کے مشہور اور عظیم محقق و اسکالر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ کی زیر نگرانی جب ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے ۱۹۷۴ء میں اپنا ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھنا چاہا تو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ مرحوم نے مسعود صاحب کو مشورہ دیا کہ مولانا احمد رضا خاں کا ترجمہ کنز الایمان ضرور مطالعہ کر لیں۔ چناں چہ ڈاکٹر صاحب نے اس کا مطالعہ کیا اور ترجمے کی انفرادیت نے انھیں اپنا گرویدہ بنا لیا اور پھر ڈاکٹر مسعود صاحب امام احمد رضا کی تصانیف کے دل دادہ ہو گئے اور انھوں نے بھرپور مطالعہ کیا۔ اور ۱۹۷۸ء میں ان کی پہلی کتاب اس حوالے سے منظر عام پر آئی حتی کہ اس کے بعد کوئی ڈیڑھ دو سو مقالے ان کے قلم سے منصہ شہود پر آئے جو انتہائی علمی اور تحقیق شدہ تھے۔ اس طرح وہ ۱۹۹۵ء تک مسلسل لکھتے رہے۔"

پھر عالمی تحقیقات اور انٹرنیشنل رضویات پر کام کرنے کے حوالے سے ڈاکٹر مجید اللہ نے بتایا کہ: "ڈاکٹر مسعود صاحب نے پھر امام احمد رضا کو بین الاقوامی سطح پر متعارف کرانے کا عزم مصمم کر لیا اور انسائیکلو پیڈیا آف جارڈن (اردن)، انسائیکلوپیڈیا آف پنجاب یونیورسٹی اور انڈیا کی بعض علمی و تحقیقی دانش گاہوں تک امام احمد رضا کا تعارف کرایا، جو بالکل نئے اور جدید اسلوب نیز عصری حوالوں سے تعبیر ہے۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب ہی کی کاوشوں سے امام احمد رضا پر عالمی جامعات میں کام شروع ہوا اور اب تک تقریباً ۲۲ پی ایچ ڈی امام احمد رضا پر ہو چکی ہے، جو دنیا کا ایک ریکارڈ ہے کہ کسی شخصیت پر اس کثرت سے تھیسس لکھے گئے ہوں اور اس کا علمی وقار متعین کیا گیا ہو۔"

ڈاکٹر مجید اللہ صاحب نے آگے بیان کیا کہ "ڈاکٹر مسعود صاحب کی کاوشوں کا ثمرہ یہ ظاہر ہوا کہ ان کی ہدایات پر انڈیا، پاکستان، عراق، مصر، امریکہ وغیرہ میں ڈاکٹریٹ کے مقالے لکھے گئے اور ڈاکٹر مسعود صاحب بھر نوع مقالہ نگاروں سے بھرپور تعاون کرتے رہے۔"

آپ نے بتایا کہ: "ایک انڈین لڑکی ڈاکٹر اوشا سانیال، کولمبیا یونیورسٹی نیویارک نے جب اپنا ڈاکٹریٹ کا مقالہ برٹش انڈیا میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور اہل سنت و جماعت تحریک (Maulana Ahmad Raza Khan Barelwi And The Ahl-e-Sunnat Wal Jamaat Movement In Britsh India) لکھنا شروع کیا تو ڈاکٹر مسعود صاحب نے اس کی بھرپور مدد کی اور اپنی لائبریری سے کتابیں فراہم کیں۔ موضوع کے حوالے سے اس کو مواد دیا اور اس طرح اس نے امریکن یونیورسٹی میں امام احمد رضا پر اپنا مقالہ مکمل کیا۔ ان کا مقصد تھا کہ امام احمد رضا کو ان کا حق ملنا چاہیے، وہ جس معیار کے انسان تھے اس کے مطابق ان کو متعارف نہیں کرایا گیا۔"

انھوں نے یہ بات بھی بتائی کہ: "ڈاکٹر صاحب سے لوگوں نے کہا کہ آپ نقش بندی اور مجددی ہیں، ان پر کام کیجیے، مولانا احمد رضا کے یہاں کیا ہے کہ اس پر وقت ضائع کر رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ اتنی عظیم شخصیت ہے کہ ان کے تمام گوشوں کا احاطہ کرنا مشکل کام ہے، پھر بھی انھوں نے تقریباً ۱۵ سال تک امام احمد رضا پر لکھا۔ پھر ۱۹۹۶ء میں اپنے سلسلے کے بزرگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت مجدد الف ثانی امام ربانی علیہ الرحمہ پر "جہانِ امام ربانی مجدد الف ثانی" گیارہ جلدوں میں تحریر کیا۔ اس طرح انھوں نے اپنی زندگی میں دو عظیم مجددین پر قلم اٹھایا اور حقِ قلم ادا کیا۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔"

ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے اپنی پچاس منٹ کی گفتگو میں مسعود ملت علیہ الرحمہ کے حوالے سے جن جن گوشوں کو اجاگر کیا، اگر ان کو بالتفصیل لکھا جائے تو بذاتِ خود ایک مقالہ بن جائے۔ ڈاکٹر مسعود صاحب نے کئی ادارے قائم کیے، اپنی کتابوں کی طباعت کے حوالے سے کبھی کسی سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ خود شریعت پر عمل کرتے تو لومۃ لائم سے بے نیاز ہو کر عمل کرتے۔ ڈاکٹر مجید اللہ صاحب نے بتایا کہ: "حکومتِ پاکستان نے ان کی کارکردگی پر گولڈ میڈل ایوارڈ دیا، جب وصولنے کے لیے گئے تو گلے میں نہیں پہنا کیوں کہ مردوں کے لیے سونا پہننا حرام ہے۔"

خلاصۂ کلام ڈاکٹر پروفیسر مجید اللہ قادری صاحب نے بڑی معلومات افزا گفتگو کی۔ مگر دورانِ خطاب وہ بار بار اس تاسف کا اظہار کرتے رہے کہ یہ میری حرماں نصیبی ہے کہ اپنے شفیق ترین مخدوم کی آخری رسومات میں شریک نہیں ہو سکا۔

یہ تعزیتی جلسہ اپنی انتہا کو پہنچا۔ زیب اسٹیج مولانا مسعود رضا صاحب فلاح مسجد، حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب کے ٹی طیبہ مسجد بھی تھے۔ اخیر میں فاتحہ خوانی، سلام و دعا ہوئی پھر نماز عشا کے بعد عشائیہ پیش کیا گیا اور یہ پروگرام ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ پروفیسر مسعود احمد علیہ الرحمہ کی قبر کو منور فرمائے اور ان کے اعمالِ حسنہ کی اچھی جزا دے۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

از: جاوید احمد پٹیل قادری، مسجد النور، ہوسٹن، امریکہ

روداد چمن الجامعۃ الاشرفیہ میں عرسِ عزیزی و جشنِ دستار بندی

رہبر مصباحی

۳۰ جمادی الاولیٰ و یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۵/۶ جون ۲۰۰۸ء بروز جمعرات و جمعہ کشور تاج دار علم و فن، مطلع برکات انوار، ابوالفیض حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ کا دوروزہ تینتیسواں عرس مقدس بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا۔ طے شدہ تقریبات کے مطابق عرس کے پہلے دن بعد نمازِ فجر قیام گاہ حضور حافظ ملت پر دیر تک قرآن خوانی ہوئی اور مختصر مجلس کا اہتمام ہوا جس میں تلاوت قرآن کریم کے بعد نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مناقبِ حضور حافظ ملت پیش کی گئیں۔ حضرت علامہ مفتی نظام الدین رضوی نے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی جامع و ہمہ گیر شخصیت پر روشنی ڈالی، پھر فاتحہ خوانی ہوئی اور ایصال ثواب کیا گیا۔ حضرت عزیز ملت صاحب قبلہ کی دعا پر مجلس کا اختتام ہوا۔ اخیر میں حسب سابق شیرینی تقسیم کی گئی۔

بعد نمازِ ظہر قیام گاہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے حضرت عزیز ملت کی قیادت میں جلوسِ چادر نکلا۔ شہر کی مختلف انجمنیں باری باری مناقب حافظ ملت کے ترانے چھیڑتی رہیں اور عشق و نور کی دل کش فضاؤں میں نورانی جلوس آگے بڑھتا رہا۔ یہ سلسلہ عصر تک جاری رہا۔

بعد نمازِ عشا اجلاسِ عام ہوا۔ جلسے کا آغاز قاری محمد رضا مصباحی کی تلاوت قرآن عظیم سے ہوا۔ حسب معمول ابتدا میں طلبۂ جامعہ نے ثقافتی پروگرام پیش کیا۔ طلبۂ اشرفیہ نے عربی فارسی، انگریزی اور اردو زبانوں میں نعتیں پڑھیں اور تقریریں کیں۔ یہ پروگرام شب گیارہ بجے تک جاری رہا۔ اس کی نظامت حضرت مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ اور حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے فرمائی۔ پھر باہر سے آئے ہوئے مہمان خطبا و شعرا نے بارگاہِ حافظ ملت میں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ جلسے کی سرپرستی حضرت عزیز ملت نے فرمائی جب کہ نقابت کی ذمہ داری نقیب اہلِ سنت حضرت مولانا علی احمد سیوانی نے فرمائی جب کہ نظامت کے فرائض حضرت مولانا عبدالحق رضوی اور حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے انجام دیے۔ اس شب میں خصوصیت کے ساتھ جن خطبا نے خطاب فرمایا اور جن شعرا نے نعت و منقبت کے نغمے چھیڑے وہ یہ ہیں: مولانا ثاقب القادری مصباحی بنارس، خطیب الہند حضرت مولانا عبید اللہ خاں اعظمی ممبر آف پارلیمنٹ، شعرا میں حافظ عبدالوکیل چھپراوی، نسیم کلکتوی، اور جناب اشہر مبارک پوری۔ یہ جلسہ اپنی پوری آن بان کے ساتھ حضرت عزیز ملت کے ناصحانہ کلمات کے ساتھ بحسن و خوبی اختتام کو پہنچا۔

دوسرے دن بعد نمازِ فجر روضۂ حافظ ملت علیہ الرحمہ پر قرآن خوانی و فاتحہ شریف کی مجلس منعقد ہوئی اور حسب سابق بعد نمازِ ظہر جلوسِ چادر نکلا اور بعد نمازِ عصر مزارِ حافظ ملت پر چادر پوشی و گل پوشی کا پروگرام ہوا۔ بعد نمازِ مغرب حلقۂ ذکر، مجلس مشاورت کل ہند بزم عزیزیہ امجدیہ کا انعقاد ہوا۔ بعد نمازِ عشا اجلاسِ عام ہوا۔ جلسے کی سرپرستی حضرت عزیز ملت صاحب قبلہ نے فرمائی اور نظامت حضرت مولانا علی احمد سیوانی نے فرمائی۔

اس پروگرام میں ملک و بیرون ملک کے مشاہیر علمائے کرام اور شعرائے عظام نے شرکت فرمائی۔ بالخصوص حضرت مولانا قاری اسلام اللہ عزیزی صاحب ممبئی، مولانا رجب علی ممبئی، مولانا شرافت حسین ممبئی، مولانا منظور حسین سلطان پور، مولانا خورشید الاسلام کچھوچھہ شریف، مولانا عمر نورانی گیا، جناب عبدالعلی عزیزی ممبئی، جناب دل کش رانچوی، جھارکھنڈ، قاری اثر فیضی دھنباد، اشہر مبارک پوری، عبدالوکیل چھپراوی۔ قل شریف سے پہلے حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے تنظیم ابنائے اشرفیہ کی رپورٹ پیش کی اور تنظیم ابنائے اشرفیہ کی سرگرمیوں کا سرسری جائزہ پیش کرتے ہوئے تنظیم کی کارکردگی سے ابنائے قدیم و جدید اور سامعین کو آگاہ کرایا۔ انھوں نے تنظیم ابنائے اشرفیہ کے اغراض و مقاصد پر بھرپور روشنی ڈالتے ہوئے جملہ ابنائے اشرفیہ سے اپیل کی کہ وہ تنظیم کے نصب العین کو حاصل کرنے میں اور تنظیم کو ہر طرح استحکام بخشنے میں اپنا قیمتی تعاون پیش کریں اور اہلِ سنت و جماعت میں دعوتی و تبلیغی خلا کو پر کرنے کے لیے تنظیم ابنائے اشرفیہ کے اصول و ضوابط کے مطابق اپنے اپنے حلقوں میں ہفتہ وارانہ "محفلِ درس" کا انعقاد کریں۔ اس موقع پر اسٹیج پر تشریف فرما علمائے کرام کے مابین محفلِ درس کے اصول و ضوابط اور

اغراض و مقاصد پر مشتمل پوسٹرس اور اسٹیکرس بھی تقسیم کیے گئے۔ وہ مبارک و مسعود گھڑی آ گئی جس کا انتظار زائرین کو بڑی شدت سے تھا۔ یعنی عرسِ مبارک کی سب سے اہم تقریب قل شریف۔ رات گیارہ بج کر پچپن منٹ پر قل شریف شروع ہوا۔ تلاوت کے بعد شجرہ خوانی ہوئی اور حضرت عزیز ملت صاحب قبلہ کی رقت انگیز دعاؤں کے ساتھ اس مقدس مجلس کا اختتام ہوا۔ پھر مختصر نعت و خطابت کے بعد اس سال جامعہ اشرفیہ کی رکنیتِ اعزازی حاصل کرنے والوں کو سندِ رکنیت سے نوازا گیا۔ ہر سال کی طرح امسال بھی حضرت قاری اسلام اللہ عزیزی صاحب ممبئی کے ذریعہ ۴۲ حضرات نے جامعہ اشرفیہ کی اعزازی رکنیت حاصل کی، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) جناب غلام جیلانی عزیزی ممبئی (۲) محترمہ رابعہ بائی علی محمد عزیزی (۳) محترمہ جمیلہ اقبال اختری عزیزی (۴) محترمہ فاطمہ وفاتی انصاری عزیزی (۵) مالن بی شاہ، ولی شاہ عزیزی (۶) تمیز بی، محمد بشیر عزیزی (۷) دل افروز مرحوم حاجی عبدالقیوم عزیزی (۸) ابو بکر ہاشم تائیوانی عزیزی (۹) مرحوم عباس خاں عزیزی (۱۰) ارشاد احمد عزیزی (۱۱) مرحوم ارشاد احمد عزیزی (۱۲) مریم ابراہیم ٹنڈیل عزیزی (۱۳) محمد شاہد عزیزی (۱۴) محمد غوث عزیزی (۱۵) سلیم محمود خاں عزیزی (۱۶) مرحومہ عائشہ، حاجی بھائی اگون (۱۷) محمد الیاس چودھری (۱۸) محمد اسماعیل ممبئی (۱۹) حاجی محمد جنید عزیزی (۲۰) محترمہ مدینہ بانو، حاجی محمد جلیل عزیزی (۲۱) محترمہ نور جہاں، حاجی محمد اختر علی عزیزی (۲۲) حاجی عبدالرزاق عزیزی (۲۳) مرحوم عبدالرحیم آدم باتار (۲۴) محمد حسین عزیزی (۲۵) مرحوم عتیق قریشی (۲۶) حاجی بقر عیدی عزیزی (۲۷) محترمہ حوابی، حاجی عبدالعزیز عزیزی (۲۸) حاجی اراز علی لشکر عزیزی (۲۹) محترمہ سکھر بانو (۳۰) امام النسا، فیض اللہ عزیزی (۳۱) محترمہ نجمہ بی، حاجی بشیر احمد عزیزی (۳۲) مرحوم علی حسن کرامت اللہ انصاری (۳۳) محترمہ زینب بی، یعقوب بہلوت عزیزی (۳۴) عمران ہاشم بناٹاوالا (۳۵) فیض عزیزی (۳۶) حاجی محمد شفیع عزیزی (۳۷) جناب پیر محمد (۳۸) محمد ضیاء الحق (۳۹) حاجی محمد صدیق (۴۰) محترمہ محترمہ حسینہ بی بی (۴۱) الحاج سیٹھ طفیل احمد عزیزی۔

اس کے بعد جامعہ اشرفیہ کے مختلف شعبوں کے طلبائے کرام کی دستار بندی ہوئی۔ اس سال فارغین اشرفیہ کی تعداد مندرجہ ذیل ہے۔

شعبۂ تحقیق: ۴ درجۂ فضیلت: ۱۶۳ درجۂ قراءت: ۸۱ درجۂ حفظ: ۴۹

دستار بندی کا یہ پر کیف منظر قابل دید رہا۔ اخیر میں حضرت عزیز ملت صاحب قبلہ کا ناصحانہ خطاب ہوا، جس میں انھوں نے طلبائے اشرفیہ بالخصوص فارغین اشرفیہ کو اپنے قیمتی کلمات سے نوازتے ہوئے عوام اہل سنت کو مسلکِ اعلیٰ حضرت پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کی تلقین فرمائی۔ پھر صلاۃ و سلام کے بعد حضرت عزیز ملت صاحب کی دعا پر یہ پروگرام اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔

(ص: ۵۶ کا بقیہ) اس جلسہ کی صدارت حضرت علامہ مفتی مسیح احمد صاحب قادری شیخ الحدیث و پرنسپل جامعہ انوار القرآن نے کی اور نظامت کے فرائض حافظ محمد ظفیر الدین متعلم جامعہ انوار القرآن نے انجام دیے۔ اس جشن میں عوام کے علاوہ خواص نے بھی شرکت کی خصوصاً حضرت علامہ مفتی عبدالسلام صاحب قادری تلسی پور، الحاج محمد شمیم احمد قادری مصباحی، میڈیا سکریٹری تنظیم ابنائے اشرفیہ بلرام پور، مولانا عبدالقیوم مصباحی، مولانا شیث محمد صاحب، مولانا محمد عمر رضوی، قاری فریاد حسین، مولانا زین العابدین اور دیگر علمائے کرام، شعرائے اسلام اور حفاظ عظام شریکِ بزم تھے۔

از: محمد عبد الرؤف، سکریٹری خلیفۂ حضور حافظ ملت کمیٹی، بلرام پور

طلبہ کلاسیز کا اہتمام

۱۸؍ مئی ۲۰۰۸ء سال ہائے گزشتہ کی طرح امسال بھی تحریک سنی دعوت اسلامی کی طرف سے گرمیوں کی چھٹی کے موقع پر ممبئی اور بیرونِ ممبئی کے ایک درجن سے زائد مقامات پر طلبہ کلاسیز کا اہتمام کیا گیا، جس میں ایک اطلاع کے مطابق تقریباً ایک ہزار اسکولی طلبہ نے شرکت کی، کچھ کلاسیز دس روزہ جب کہ اکثر کلاسیز ایک ماہ کی تھیں۔ ماہر اساتذہ و مبلغین کے ذریعہ بچوں کی عمدہ تعلیم و تربیت کی گئی، ایمانیات، مسائلِ شرعیہ، روزمرہ پیش آنے والی دعائیں، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، تصحیح قرآن مجید وغیرہ کے تعلق سے اساتذہ ہر دن طلبہ کو لکھاتے پڑھاتے اور طلبہ دوسرے دن یاد کر کے زبانی سناتے۔ نماز روزہ اور غسل وغیرہ کی عملی ٹریننگ دی گئی۔ مولانا محمد توفیق برکاتی مصباحی اور راقم الحروف کو مرکز اسماعیل حبیب مسجد پر منعقد طلبہ کلاس کے طلبہ کا امتحان لینے کا موقع ملا۔ بچوں نے امتحان بخش جوابات دیے، مسرت ہوئی۔ اول گروپ سے پانچ بچوں کو جب کہ دوسرے اور تیسرے گروپ سے کامیاب چھ طلبہ کو امیر سنی دعوت اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر علی نوری صاحب دام مجدہ کے مبارک ہاتھوں انعامات سے نوازا گیا۔ جب کہ تمام شرکا کو توصیفی اسناد سے نوازا گیا۔ تقسیم انعامات کا یہ سلسلہ دوسرے مقامات پر بھی جاری رکھا گیا۔ موصوف نے ان والدین اور سرپرستوں کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے اپنے بچوں کو دین سیکھنے کا موقع فراہم کیا۔ از: مظہر حسین علیمی، آفس سنی دعوت اسلامی، ممبئی

تنظیمی سرگرمیاں

کٹیہار بہار میں تنظیم ابنائے اشرفیہ کی ضلعی شاخ کا قیام

ضلع کٹیہار بہار میں تنظیم ابنائے اشرفیہ کے قیام واستحکام کی غرض سے فارغینِ اشرفیہ وخیر خواہانِ تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کے پیہم اصرار وبے تابانہ خواہش اور مسلسل رابطوں کے نتیجے میں مفکر اسلام حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی جنرل سکریٹری تنظیم ابنائے اشرفیہ ومدیر ماہ نامہ اشرفیہ واستاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی کی آمد باعث خیر وبرکت آخر کار ۲۷/اپریل ۲۰۰۸ء کی شام مشرقی بہار کی مرکزی وتاریخی درس گاہ مدرسہ وخانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور تکیہ شریف بارسوئی، کٹیہار، بہار کے نورانی صحن میں عمل میں آہی گئی۔ ضلع کٹیہار میں تنظیم کی شاخ کے قیام کے حوالے سے ایک باوقار وعظیم الشان مجلس کے انعقاد کی خاطر مدرسہ وخانقاہ لطیفیہ کے مدرسین وذمہ داران نے دعوت ناموں کے ذریعے ضلعی پیمانے پر خاصی تعداد میں مصباحی اخوان اور دیگر علما وفضلا کے ساتھ ساتھ اسلامی مزاج کے عصری تعلیم یافتگان و دانش وران کو بھی بڑے اہتمام سے مدعو کیا تھا۔ ۲۷/اپریل بروز اتوار بعد نمازِ مغرب حفیظ منزل بہ احاطہ مدرسہ وخانقاہ لطیفیہ کے وسیع ہال میں بڑے تزک واحتشام کے ساتھ مجلس منعقد ہوئی۔ تلاوتِ کلامِ الٰہی سے مجلس کا آغاز ہوا۔ حضرت مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی نے نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے محمد معروف عالم متعلم مدرسہ وخانقاہ لطیفیہ کو نعت خوانی کی دعوت دی۔ نعت خوانی کے بعد مجلس کی کارروائی شروع ہوئی اور حضرت مولانا نوشاد عالم رضوی مصباحی، مولانا فاروق عالم مصباحی، مولانا ہارون رشید مصباحی، مولانا مجیب الرحمٰن رضوی مصباحی کو ضلع کٹیہار میں تنظیم ابنائے اشرفیہ کے قیام و تاسیس اور فروغ کی ضرورت وافادیت پر اظہار خیال کی زحمت دی گئی۔ بعدہ حضرت مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی نے اپنے نپے تلے الفاظ میں تنظیم ابنائے اشرفیہ کے حوالے سے کچھ دیر خطاب کیا۔ پھر فقیہ عصر حضرت مولانا مفتی آل مصطفیٰ مصباحی استاذ ومفتی جامعہ امجدیہ گھوسی مئو رونق مجلس ہوئے۔ آپ نے کٹیہار کے تابندہ ماضی کے رخ سے بصیرت افروز معلوماتی گفتگو فرمائی۔ پھر حال کے افسوس ناک منظر نامے پر تبصرہ کرتے ہوئے یہاں کے غیر مربوط وبے اثر دعوتی وتبلیغی عمل اور ابتر سماجی واخلاقی صورتِ حال کے تناظر میں تنظیم کے قیام وترقی کو ناگزیر تقاضا بتایا۔ اخیر میں صدر مجلس مفکرِ اسلام حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب مد ظلہ النورانی کو نعرۂ تکبیر ورسالت کی دل نواز وروح پرور گونج میں دعوتِ سخن دی گئی۔ حضرت مد ظلہ النورانی کا کھڑا ہونا تھا کہ پورا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا اور ایک ایک لفظ کو لوحِ دل پر اتارنے کے لیے آمادہ نظر آیا۔ آپ نے حمد وصلاۃ کے بعد تنظیم کی تعریف وتوضیح پر فاضلانہ کلام فرماتے ہوئے عالمی تاریخ کی روشنی میں تنظیم کی ضرورت واہمیت اور معنویت وافادیت پر چشم کشا روشنی ڈالی۔ پھر تنظیم ابنائے اشرفیہ کے قیام وبنا کے پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے اغراض ومقاصد کو بھی واضح انداز میں بیان فرمایا۔ آپ نے فرزندانِ اشرفیہ سے اپیل کی کہ اگر آپ اخلاص وایثار کے جذباتِ بے کراں کے ساتھ کاروانِ تنظیم کا ساتھ دیں تو ہم تمام مل کر ملکی وبین الاقوامی سطح پر مسلم امہ کے ہر کرب واضطراب کا مداوا کر سکیں گے اور اس پلیٹ فارم سے اسلام کے صالح افکار ونظریات اور اسوۂ رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاکیزہ خوشبوئیں دنیا کے ہر گھر آنگن تک پہنچا دیں گے۔ سلسلۂ خطاب کو جاری رکھتے ہوئے انھوں نے آگے فرمایا کہ تنظیم ابنائے اشرفیہ صرف فضلائے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ہی کی تنظیم نہیں ہے بلکہ یہ جہانِ سنیت کے ہر سنی مدرسہ وخانقاہ اور ادارہ کے وابستگان و فیض یافتگان کا اپنا ایسا مضبوط ومنضبط اور فعال وپرعزم پلیٹ فارم ہے کہ جس سے ہم مستقبل کے اندر ہر سطح پر انقلاب بپا کر سکتے ہیں۔ اختتامِ تقریر کے بعد حضرت مد ظلہ نے تنظیم کی ضلعی تشکیل کو عملی جامہ پہناتے ہوئے علما وفضلا اور صاحبانِ فکر ونظر کی جماعت کو تنظیم کے عہدے داران وممبران کے انتخاب کی مخلصانہ دعوت دی۔ بہت سنجیدہ ماحول میں سب نے غور وخوض کیا اور اتفاقِ رائے سے مندرجہ ذیل حضرات کو محررہ ذیل عہدوں کے لیے چنا۔

سرپرست: (۱) مولانا امام اختر نوری صدر المدرسین الجامعۃ النظامیہ، ڈلکولہ (۲) مولانا محبوب عالم وحیدی پرنسپل مدرسہ اسلامیہ اعظم نگر

نائب سرپرست: (۱) مولانا صادق عالم لطیفی، خانقاہ رحمٰن پور

(۲) مولانا فیاض عالم اشرفی، شیخ پور

صدر: مفتی طفیل احمد مصباحی، مفتی دارالعلوم آباد پور

نائب صدر: (۱) مفتی مظفر حسین رضوی، مہتمم نوری مشن، سالماری

(۲) مولانا مجیب الرحمٰن رضوی مصباحی استاذ دارالعلوم فیضانِ لطیفی کرہ

(۳) مولانا عبدالمنعم مصباحی، جامعہ حمیدیہ بالوگنج

جنرل سکریٹری: مولانا شاہ تہذیب عالم لطیفی مصباحی، خانقاہ رحمٰن پور

نائب سکریٹری: (۱) مولانا فاروق عالم مصباحی، مہتمم دارالعلوم ڈانگول

(۲) مفتی اعجاز اصغر نوری، مفتی جامعہ لطفیہ بحر العلوم عملہ ٹولہ

(۳) مولانا مخدوم اشرف مصباحی، استاذ جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم عملہ ٹولہ

خازن وناظمِ نشریات: (۱) مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی، استاذ خانقاہ مدرسہ لطیفیہ خانقاہ رحمٰن پور

(۲) مولانا ہارون رشید مصباحی، استاذ دارالعلوم اعظم نگر

ممبران: (۱) مولانا نوشاد عالم رضوی مصباحی (۲) مولانا کلیم اصغر مصباحی (۳) مولانا جمال اختر مصباحی (۴) مولانا مختار عالم مصباحی (۵) مولانا محبوب عالم شمسی (۶) مولانا سجاد عالم مصباحی (۷) مولانا الٰہی بخش (۸) مولانا ظفر رشیدی

صلاۃ وسلام اور دعاخوانی پر مجلس اختتام پذیر ہوئی۔ مولوی نجیم احمد، مولوی اظہر رضا خاں، متعلمین جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور حافظ علی حسن و مولوی ابوالکلام متعلمین مدرسہ لطیفیہ خانقاہ رحمٰن پور نے مجلس کے انتظام وانصرام میں خصوصی دل چسپی ومحبت کا مظاہرہ کیا۔ بارگاہ خداوندی میں دعا ہے کہ ان حضرات کے علم وعمل اور عمر میں برکتوں، سعادتوں کی حسین بارات اتر آئے۔ آمین ثم آمین۔

از: شعبۂ نشر و اشاعت، مدرسہ و خانقاہ لطیفیہ
رحمن پور، بلرسوئی، کٹیہار، بہار

گائے کا گوشت کھانا اور اس کا کاروبار جائز و حلال

تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کا اہم فیصلہ

۲۷/اپریل ۲۰۰۸ء کے روز نامہ راشٹریہ سہارا میں دارالعلوم دیوبند کا ایک فتویٰ گائے کے گوشت کے تعلق سے شائع ہوا، جس میں یہ حکم دیا گیا کہ ”گائے کے گوشت کا کروبار اور اس کا کھانا ناجائز“ اس فتوے کو دیکھتے ہی عوام وخواص میں زبردست اضطراب پیدا ہوگیا۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ دیوبند کے لوگوں نے غیر مسلموں کا ووٹ لینے اور دہشت گردی کے الزام کا داغ دھونے اور سیاسی لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے یہ فتویٰ دیا ہے۔ شریعت اور خدا ورسول کی خوشنودی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس مسئلہ پر تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کی فوراً ایک میٹنگ بلائی گئی جس میں الجامعۃ الاشرفیہ کے اساتذۂ کرام اور مفتیانِ عظام نے شرکت کی اور یہ فیصلہ ہوا کہ گائے کا ذبیحہ، اس کی قربانی، اس کا گوشت کھانا اور اس کا کاروبار قرآن پاک اور احادیثِ کریمہ کی روشنی میں جائز وحلال ہے۔ قربانی اور ذبحِ حلال ہمارا دینی، مذہبی حق ہے۔

البتہ جن صوبوں کی حکومتوں نے ذبیحۂ گاؤ کو ظلماً خلاف قانون قرار دیا ہے تو وہاں فتنہ وفساد اور مواخذہ سے بچنے کے لیے اس سے ضرور باز رہا جائے۔ لیکن صرف مخالفین اسلام کی خوشنودی کے لیے اس مباح قطعی پر عمل نہ کرنا بدخواہی اسلام ومسلمین ہے۔ اس میٹنگ میں خصوصیت کے ساتھ شیخ الجامعۃ علامہ محمد احمد مصباحی، صدر شعبۂ افتا مفتی محمد نظام الدین رضوی، مفتی محمد معراج القادری، علامہ عبدالحق رضوی، مفتی زاہد علی سلامی، علامہ مبارک حسین مصباحی، نعیم ملت مولانا نعیم الدین عزیزی وغیرہ حضرات نے شرکت کی۔

از: صابر رضا رہبر، تنظیم ابنائے اشرفیہ، مبارک پور

(ص: ۴ کا بقیہ)

ماہ نامہ اشرفیہ پابندی سے ان تک پہنچتا تھا اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے راقم کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

مکرمی زید عنایتکم ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ رسالہ اشرفیہ مل رہا ہے ممنون ہوں اہل سنت کے رسائل میں معیار کے لحاظ سے یہ رسالہ ممتاز نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور ترقیاں عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط والسلام

احقر مسعود احمد

سعادت لوح وقلم حضرت علامہ پروفیسر مسعود احمد کا وجود مسعود بلاشبہہ اجالوں کا سفیر تھا۔ ان کا وصال پر ملال جماعت اہل سنت اور جامعہ اشرفیہ کے لیے ایک بڑا غم ہے مولیٰ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور ان کی فکر وتحقیق کا اجالا عام فرمائے۔ آمین۔

خیر و خبر

تلہر میں تحفظ ایمان کانفرنس

سرزمین تلہر محلہ تنگنچہ میں نوجوانانِ تلہر کی کاوشوں سے جملہ متولیان خانقاہائے تلہر کی قیادت میں ۲۹/اپریل ۲۰۰۸ء بروز منگل بعد نمازِ عشا ایک تاریخ ساز جلسہ سیرت النبی بنام "تحفظِ ایمان کانفرنس" منعقد ہوا۔ جس میں حضرت علامہ مبارک حسین صاحب قبلہ مصباحی مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ و حضرت علامہ صغیر احمد صاحب جوکھن پوری ناظم اعلیٰ مدرسہ قادریہ رچھا بریلی نے بحیثیت مقرر خصوصی مجمع عام سے خطاب فرمایا اور قرآن و حدیث کی روشنی میں غیر مقلدوں کے باطل افکار و نظریات کا رد فرما کر جماعت اہل سنت کی شاہ راہ مستقیم پر گام زن ہونے کی تاکید فرمائی۔ جس کے نتیجے میں درجنوں افراد جو تذبذب میں پڑے تھے اہل سنت کے حق ہونے کا اعلان کرنے لگے

نیز مقامی علماے کرام نے بھی کثیر تعداد میں شرکت فرمائی اور اپنے انقلابی بیانات سامعین کے گوش گزار کیے۔ جن میں علامہ زبیر احمد صاحب قبلہ تلہری، محمد علیم الدین بھاگل پوری، مفتی یاد علی صاحب، قاری ادریس رضا، قاری غلام احمد رضا بھاگل پوری، قاری توقیر رضا اور قاری مخدوم اشرف مرزاپوری کے اسماے گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ رئیس کوثر بھاگل پوری، فریاد لکھیم پوری اور فضل رضا نے بارگاہِ رسالت مآب میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا، جب کہ نقابت کے فرائض مولانا عقیل احمد خطیب و امام عیدا شاہ والی مسجد، تلہر نے انجام دیے۔ اس کانفرنس میں قصبہ تلہر اور اس کے گرد و نواح سے کثیر تعداد میں فرزندانِ توحید و رسالت نے شرکت کا شرف حاصل کیا، اخیر میں سلام و قیام اور دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

از: محمد علاء الدین خنجر گیلاوی، بانی جلسہ مذکورہ

مدرسہ و خانقاہ لطیفیہ میں جلسہ دستار بندی

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کے مخلص معاصر و رفیق کار صاحب تصانیف جلیلہ قدوۃ العلما زبدۃ الفضلا حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی برہانی قدس سرہا النورانی (متوفی: ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء) کی عظیم روحانی و علمی یادگار اور مشرقی بہار کی قدیم ترین درس گاہ مدرسہ و خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور تکیہ شریف، بارسوئی، کٹیہار، بہار میں ۲۷/اپریل ۲۰۰۸ء بروز اتوار ایک عظیم الشان و باوقار جلسہ دستار بندی منعقد ہوا، جس میں ملک کے طول و عرض سے مشاہیر وقت اور ارباب علم و فضل شریک ہوئے۔ مولانا ہاشم نعیمی شیخ المعقولات جامعہ نعیمیہ مراد آباد، مفتی آل مصطفیٰ مصباحی استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو، فخر صحافت حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ و استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، مولانا حسن رضا خاں پٹنہ، مولانا قمر احمد اشرفی مصباحی خطیب و امام جامع مسجد بلیک برن انگلینڈ خصوصیت کے ساتھ شریک ہوئے۔ بعد نماز عشا قاری اقبال رضوی فیضی کی تلاوتِ کلام پاک سے جلسے کا آغاز ہوا۔ پھر ناظمِ جلسہ مفتی نوشاد عالم رضوی مصباحی رئیس المعلمین مدرسہ و خانقاہ لطیفیہ نے حضرت مولانا عسجد رضا مصباحی بنارس کو نعت خوانی کی دعوت دی۔ مفتی آل مصطفیٰ مصباحی سب سے پہلے رونقِ محفل ہوئے اور اصلاحِ معاشرہ پر شان دار خطاب کرتے ہوئے بڑے ناصحانہ و پرسوز کلمات ارشاد فرمائے، پھر حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی نے ایمان کے تحفظ و بقا کے لیے عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت و اہمیت پر بڑی پر مغز و نکات آفریں تقریر فرمائی۔ فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار اور مذہبی ادب کی مشکل زمین پر مبنی ہونے کے باوجود تقریر حد درجہ پسند کی گئی۔ پھر یکے بعد دیگرے مولانا قمر احمد اشرفی مصباحی اور مولانا حسن رضا خاں نے اپنے اپنے گراں قدر خطابات سے سامعین کو محظوظ و مستفید فرمایا۔ اخیر میں علامہ ہاشم نعیمی صاحب نے ماہ رواں ربیع الثانی کی مناسبت سے حضور سرکار بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب پر خطاب فرمایا۔ صلاۃ و سلام اور نیر عالم نعیمی لطیفی مفتی دار الافتا خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور کی رقت انگیز دعا پر یہ جلسہ بحسن و خوبی اختتام پذیر ہوا۔ مولانا محبوب عالم وحیدی پرنسپل مدرسہ اسلامیہ اعظم نگر کٹیہار نے حسب دستور اس جلسے کو بھی اپنے حسن انتظام و بہترین تدبیر سے ایک یادگار بنا دیا۔

از: شعبۂ نشر و اشاعت، مدرسہ و خانقاہ لطیفیہ رحمن پور، کٹیہار، بہار

سانتاکروز میں دعوت اسلامی کا اجتماع

عالم گیر غیر سیاسی تحریک دعوتِ اسلامی کی ممبئی مشاورت کی جانب سے ممبئی سطح پر ایک روزہ اجتماع یکم جون ۲۰۰۸ء بروز اتوار شام ۴بجے تا رات ۱۰بجے گرین گارڈن، دولت نگر ریلیف روڈ

سانتا کروز (ویسٹ) ممبئی میں منعقد ہوا۔ تلاوت کلام مجید اور حمد و نعت سے اجتماع کا آغاز ہوا، پھر مبلغ دعوتِ اسلامی محمد جنید برکاتی عطاری کا اصلاحی بیان ہوا، پھر نعت پاک پیش کی گئی۔ بعدہ حضرت مولانا مفتی یحییٰ رضا مصباحی صدر المدرسین جامعۃ المدینہ دار العلوم کنز الایمان نے مفسداتِ نماز پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور مثالوں سے اسے واضح فرمایا، ضمناً فضائل وشرائط نماز بھی بیان کیے۔ پھر نمازِ عصر باجماعت اجتماع گاہ میں ادا کی گئی۔ نماز کے بعد دوسری نشست کا آغاز نعتِ پاک سے ہوا، پھر مبلغ دعوتِ اسلامی محمد مظفر عطاری نے تربیتِ اولاد اور اصلاحِ معاشرہ پر بڑا پر اثر بیان کیا۔ بیان ختم ہوتے ہی نمازِ مغرب باجماعت ادا کی گئی۔ نماز کے بعد تیسری نشست کا آغاز ہوا۔ نعت پاک کے بعد علامہ مفتی مطیع الرحمٰن مضطر نے آیت یا ایھا النبی کو موضوع سخن بنایا اور ثابت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم جیسے بشر نہیں۔ بیان کا انداز اتنا نرالا اور دلکش تھا کہ تا حدِ نگاہ مجمع سے کوئی فرد باہر نکلتا ہوا نظر نہ آیا۔ پھر عبد العزیز عطاری اور سعید عطاری نے ایسی نعت پاک پیش کی کہ اجتماع میں سارے لوگ جھومتے نظر آئے۔ حاجی شبیر عطاری نے مختصر تعارف دعوتِ اسلامی اور اس کے تقاضوں کو بیان کیا۔ ذکر ودعا اور صلاۃ و سلام ختم ہوتے ہی اذان وعشا باجماعت پر اجتماع کا اختتام ہوا۔

از: مجلس نشر واشاعت دعوت اسلامی ہند، ممبئی

مبارک پور میں دعوت اسلامی کا اجتماع اختتام پذیر

۱۸ مئی ۲۰۰۸ء بروز اتوار مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں عالمی تحریک دعوت اسلامی کا سالانہ سنتوں بھرا ایک روزہ اجتماع پاک منعقد ہوا۔ جس میں ملک کے مختلف شہروں سے علمائے کرام، مبلغینِ عظام و عوام اہلِ سنت نے کافی تعداد میں شرکت کی۔ جن جن حضرات کے نعت و بیانات ہوئے ان کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں۔ مولوی عمران احمد مہاراشٹر، حافظ عقیل احمد مبارک پور، مولانا رہبر مصباحی، مولانا احمد رضا مصباحی، مولانا سید رفاعی مصباحی کرناٹک، مولانا محمد ناصر مصباحی، محمود صاحب مبلغ دعوت اسلامی گوپی گنج، مولانا عزیز الرحمٰن پرنسپل مدرسہ بحر العلوم مئو، قاری معراج احمد، مولانا مفتی محمد نسیم مصباحی اور مولانا منظور احمد سلطان پور کے علاوہ غلام فرید مبلغ دعوت اسلامی گوپی گنج، امتیاز احمد محمد حسین گجراتی نے نعت خوانی کی۔

اصلاحِ معاشرہ کے تعلق سے مختلف موضوعات پر مختلف انداز میں بڑے پیارے بیانات ہوئے، جس کی موجودہ زمانے میں ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ کے اساتذۂ کرام میں مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا صدر الوریٰ مصباحی، مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، مولانا محمود احمد مصباحی، مولانا نثار احمد مصباحی، مولانا احمد نور مصباحی، مولانا شکیل احمد مصباحی، نائب ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ نے شرکت فرما کر کامیابی کی ضمانت عطا کر دی۔ آخر میں ذکر وسلام ودعا کے اجتماع کا اختتام ہوا۔

از: محمد محبوب عزیزی، خادم دعوت اسلامی، مبارک پور

بلرام پور میں عرس خلیفۂ حضور حافظ ملت

۹ مئی ۲۰۰۸ء بروز جمعہ مبارکہ خلیفۂ حضور حافظ ملت حضرت الحاج الشاہ حافظ محمد حنیف صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کا دوسرا سالانہ عرس نہایت ہی تزک واحتشام کے ساتھ منایا گیا۔ نمازِ فجر کے بعد مزار اقدس پر قرآن خوانی کی گئی جس میں جامعہ انوار القرآن اور اہلِ سنت فخر العلوم کے مدرسین وطلبہ اور عوام اہل سنت نے شرکت کی۔ ساڑھے آٹھ بجے قل شریف ہوا، شیرینی تقسیم کی گئی۔ بعد نمازِ عصر جامع مسجد ابراہیم مشتری مرحوم سے چادر وگل پوشی کا جلوس علما ومشائخ کی قیادت میں نکلا اور نعت ومنقبت خوانی اور نعرہ ہائے تکبیر ورسالت کی چھاؤں میں مزار شریف تک پہنچا۔ پھر گل وچادر پوشی اور قل شریف وسلام ودعا پر اختتام ہوا۔ عشا کے بعد بی بی باندی صاحبہ عیدگاہ کے وسیع میدان میں جلسے کا آغاز حضرت مولانا قاری محمد یونس صاحب عزیزی شیخ التجوید شمس العلوم گھوسی نے اجتماعی طور پر بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں گل ہائے نعت پیش کیے۔ پھر شاعر اسلام جناب فرید حسین کھیم پوری بریلی شریف نے نعت ومنقبت پیش کیا، بعدہ تقریر کا سلسلہ جاری ہوا۔ مقرر خصوصی خطیب اعظم حضرت علامہ مختار احمد صاحب بہیڑی، بریلی شریف اور واعظ شیریں مقال حضرت علامہ کمال اختر صاحب چرہ محمد پور فیض آباد نے اصلاح معاشرہ اور عظمت رسالت کے عنوان پر انتہائی ولولہ انگیز خطاب فرمایا۔ اخیر میں شہزادۂ حافظ ملت حضور عزیز ملت علامہ الحاج الشاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ عربی یونیورسٹی مبارک پور کا بصیرت افروز خطاب ہوا، پھر صلاۃ وسلام اور دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ (باقی ص: ۵۲ پر)

R.N.I. No.: 29292/76 Regd No.: AZM/N.P.28

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur, Azamgarh (U.P.)-276404 Phone:(05462)250092, 250149, Fax:251448
http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org

برصغیر کی شہرہ آفاق دینی درس گاہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

انشاء اللہ ماہ نامہ اشرفیہ کا آئندہ دو ماہ کا مشترکہ شمارہ ''انقلاب ۱۸۵۷ء نمبر'' ہوگا، جس میں ملک و بیرون ملک کے اہلِ علم ودانش کے وقیع مقالات شامل ہوں گے۔ یہ ضخیم نمبر اپنی نوعیت کا بالکل منفرد اور تاریخی حیثیت کا حامل ہوگا، جس میں آپ پڑھیں گے:

انقلاب ۱۸۵۷ء کا پس منظر و پیش منظر۔ انقلاب ۱۸۵۷ء میں فرزندانِ ہند کی قربانیوں کی دل دوز داستان،
انقلاب ۱۸۵۷ء کے اصل مجاہدوں کے کارنامے اور ان کو صفحۂ تاریخ سے مٹانے کی ناپاک سازشوں کی نقاب کشائی۔
ملک کی آزادی میں علمائے اہلِ سنت کی سرفروشانہ خدمات۔

اشتہار کے خواہش مند اور تاجرانِ کتب اضافی کاپیوں کا آرڈر جلد بک کرالیں۔

نوٹ:- اہلِ قلم حضرات اپنی نگارشات اولین فرصت میں ارسال کرنے کی زحمت فرمائیں۔